امام ابو اسحاق شاطبی

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

جدید اسلامی فکری ارتقاء پر جو مسلمان فقہاء خاص طور پر اثر انداز ہوئے ہیں ، ان میں اندلس کے مالکی فقیہ امام ابو اسحاق شاطبی بہت نمایاں ہیں ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اسلامی قانون کے تصور جدید کی تشکیل میں آپ کے قانونی فکر نے بنیادی کردار ادا کیا ہے ۔

امام شاطبی کا پورا نام ابو اسحاق ابراہیم بن موسی بن محمد اللخمی الشاطبی ہے ۔ شاطبہ سے ان کی نسبت کی وجہ سے چند مستشرقین کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ شاطبہ میں پیدا ہوئے تھے یا شاطبہ سے ہجرت کرکے غرناطہ آئے تھے (۱) ۔ یہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ شاطبہ بہت عرصہ پہلے عیسائیوں کے قبضے میں آ چکا تھا اور تاریخ نگاروں کے قول کے مطابق ۶۴۵ھ میں شاطبہ سے آخری مسلمان خاندان بھی رخصت ہو چکا تھا ۔

امام شاطبی کی زندگی کا تمام عرصہ غرناطہ میں گزارا ۔ یہ آٹھویں صدی ہجری کا غرناطہ تھا ۔ جب مسلمانوں کے عروج کا سورج اندلس میں اپنی آخری ضیا پاشیاں کر رہا تھا ۔ یہ سلطان محمد الغنی باللہ کا دور تھا جو غرناطہ کی تاریخ کا شان دار عہد ہے۔ الحمراء کے محلات میں مشہور زمانہ محل جو شیروں کے محل کے نام سے مشہور ہے اسی دور میں تعمیر ہوا ۔ سلطان کی کامیاب

سیاست سے جہاں ایک طرف عیسائیوں کی جانب سے خطرہ کم ہو چکا تھا وہاں اندرونی طور پر بھی خانہ جنگیوں ، سازشوں اور آپس کی ریشہ دوانیوں سے کچھ دیر کے لئے نجات ملی ہوئی تھی ۔ سلطان کی علم دوستی کی وجہ سے تمام اسلامی دنیا اور خاص طور پر افریقہ کے علماء غرناطہ میں کھنچے چلے آ رہے تھے ۔ ان میں ابن خلدون جیسی نامور شخصیتوں کے نام بھی آتے ہیں ۔ ابن خلدون شاطبی کے ہم عصر تھے اور غرناطہ میں تقریباً دو سال سلطان محمد الغنی باللہ کے دربار سے وابستہ رہے ۔

شاطبی کو اس دور کے ماہر فن علماء سے استفادہ کا موقعہ ملا ۔ ان کے اساتذہ میں ایک ابن الفخار الالبیری (م۷۵۵ھ) تھے، جو شیخ النحاۃ کے نام سے مشہور تھے ۔ دوسرے ابوالقاسم شریف السبتی تھے، جو علم بلاغت کے امام تھے ۔ ان کے علاوہ ابو سعید ابن لب (م۷۸۳ھ) ، ابو منصور الزواوی (م ۷۷۰ھ) ، ابو عبداللہ المقری (م۷۵۸ھ) اور دوسرے علماء بھی شامل ہیں (۲) ۔

اندلس میں ہمیشہ علم فقہ کو نفع بخش علم سمجھا جاتا تھا لیکن اصول فقہ میں بہت کم دلچسپی لی جاتی تھی ۔ امام شاطبی نے ابتدا ہی سے اصول فقہ میں اپنا شغف ظاہر کیا ۔ اس کی وجہ جیسا کہ خود ان کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے ، یہ تھی کہ ان کے زمانے میں بہت سی اہم معاشرتی تبدیلیاں ظہور پذیر ہو رہی تھیں ۔ مالکی فقہ جسے روایت پرست فقہا نے جامد بنا رکھا تھا ان حالات میں رہنمائی سے قاصر تھی ۔ فقہاء کی فلسفہ اور اصول قانون سے عدم دلچسپی کی وجہ سے کوئی ایسا طریق کار اور اصول سامنے نہیں آ رہا تھا جو اسلامی قانون کی بنیادوں کو نقصان پہنچائے بغیر اور اس کی وحدت پر اثر انداز ہوئے بغیر ان نئے حالات کا مقابلہ کر سکتا ۔ فقہاء باہمی

اختلافات کا شکار تھے ۔ وہ ان اختلافات کو اصولی حیثیت دے کر اس سے فقہی جواز مہیا کرتے تھے ۔ یہ بات شاطبی کے لیے بے حد پریشان کن تھی کہ قانون اسلامی ، جس کی اصل ایک ہے ، تضادات کا شکار ہو جائے اور ان تمام متضاد بیانات کو شرعی جواز حاصل ہو۔ ان مشکلات کا حل اصول فقہ ہی میں مل سکتا تھا کیونکہ قانون اسلامی اس وقت تک اپنی روح سے محروم اور بے جان رہتا ہے جب تک اسے اس کی فلسفیانہ اور نظریاتی بنیادیں فراہم نہیں کی جاتیں۔ امام شاطبی نے ازسر نو فقہ اسلامی کا مطالعہ کیا اور اس کے قرآنی اور سنت نبوی کے مصادر اور اصول پر غور کیا اور اس طرح وہ شریعت اسلامیہ کے مقاصد اور اسرار معلوم کرنے میں کامیاب ہوئے ۔ یوں نظریہ قانون اسلامی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ۔ ان تمام مباحث کو انھوں نے اپنی دو کتابوں میں یک جا کیا ہے ۔ ایک الموافقات ہے ، جو چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں مقاصد شریعہ پوری تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ۔ دوسرے الاعتصام ہے ، جس میں بدعت کی تشریح پوری شرح وبسط سے کی گئی ہے۔

ان کتابوں کی تصنیف میں امام شاطبی نے محض سابقہ کتابوں کے مطالعے اور تجزیہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فتاویٰ کے سلسلے میں اپنے تجربے سے بھی کام لیا ہے۔ مزید برآں اپنے ہم عصر علماء و فقہاء سے ان اہم مسائل پر خط و کتابت بھی کی ۔ طریقہ یہ تھا کہ اس عہد میں جو پیچیدہ مسائل درپیش تھے ان کو اصول فقہ کی زبان میں آپ سوال نامہ کی صورت میں پیش کرتے اور اندلس اور شمالی افریقہ کے تمام نامور فقہاء کو بھجواتے ۔ اس سے جہاں کئی مسائل کی وضاحت ہوئی وہاں امام شاطبی کو بہت سی دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ۔ امام شاطبی قرآن و سنت اور مقاصد شریعہ سے رہنمائی حاصل

کرتے تھے مگر فقہاء عموماً متداول روایات کا سہارا لیتے تھے ۔ اس طرح ان سے تصادم ہونا لازمی تھا ۔ امام شاطبی نے بہت سے ایسے رسوم رواج کی مخالفت میں قلم اٹھایا جن کو وہ خلاف قرآن و سنت بلکہ بدعت سمجھتے تھے ۔ اس پر ان کی سخت مخالفت ہوئی (۳) ۔

متنازعہ مسائل زیادہ تر تصوف سے تعلق رکھتے تھے یا سیاسی نوعیت کے تھے ۔ ان میں سے ایک نماز کے بعد بآواز بلند دعا کا مسئلہ تھا ۔ خطبہ کے دوران سلطان وقت کا نام لینا اس کے اقتدار کے جواز اور اس علاقے کی طرف سے اطاعت کی علامت سمجھا جاتا تھا ۔ الموحدین کے دور میں اندلس میں یہ اضافہ ہوا کہ ہر نماز کے بعد سلطان وقت کے لیے دعا کی جاتی تھی ۔ شروع شروع میں اس کی مخالفت ہوئی لیکن پھر اس کا باقاعدہ رواج ہو گیا اور اسے عبادت کا جزو سمجھا جانے لگا ۔ امام شاطبی نے اسے بدعت قرار دیتے ہوئے نہ صرف خود اس کی مخالفت کی بلکہ دوسرے فقہاء سے بھی اس سوال پر خط و کتابت کی ۔ چونکہ اس مسئلے کی نوعیت سیاسی بن چکی تھی اس لیے ان تمام فقہاء نے جو قاضی اور مفتی کی حیثیت سے اپنے مفادات اس سے وابستہ کیے ہوئے تھے امام شاطبی سے شدید مخالفت کی ۔ یہ اور اس طرح کے کئی مسائل تھے جن کی وجہ سے امام شاطبی پر مختلف قسم کے الزامات لگائے گئے ۔ انہیں ,,بدعتی،، اور ,,تارک سنت،، کہا گیا (۴) ۔

اگرچہ تاریخی طور پر اس سلسلے میں وضاحت نہیں ملتی لیکن امام شاطبی کے اپنے بیانات سے مترشح ہوتا ہے کہ انہیں اس سلسلے میں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا ۔ ان کے خلاف تفتیش اور محکمانہ کاروائیاں بھی ہوئیں ۔ اسی ابتلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ شعر کہے تھے :

اے قوم تونے مجھے امتحان میں ڈالا
اور امتحان بڑے بڑوں کو ہلا دیتے ہیں
تونے اسے ایسے گرداب میں مبتلا کیا، جس میں وہ بری طرح چکرا گیا
ایسا لگتا تھا کہ اس کا نام و نشان تک مٹ جائے گا
تونے مجھے اس لیے مصائب کا نشانہ بنایا
کہ میں مفاسد کو دور کرنا چاہتا تھا
اور مصالح کو عام کرنا چاہتا تھا
بہرحال خدا ہر حال میں میرے لیے کافی تھا
اس نے میرے فکر کی بھی حفاظت کی اور میرے
دین کی بھی (۵)

امام شاطبی نے تو بدعت کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا تھا لیکن خود انہی پر بدعت کا الزام لگایا گیا ۔ اس لیے انھوں نے ضروری سمجھا کہ بدعت کے تصور کی تعریف اور تشریح ایسے انداز میں کی جائے کہ اس کا یہ ابہام دور ہو جائے جس سے موقع پرست اور بدعت نواز لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ انھوں نے شریعت اسلامیہ کے فلسفے کی تشکیل پر کام شروع کیا اور اس فلسفے کو نظریہ مقاصد شریعہ کے نام سے الموافقات میں تفصیل سے پیش کیا ۔ انھوں نے بدعت کے مفہوم کا بھی تجزیہ کیا جس کی تفصیلات الاعتصام میں ملتی ہیں ۔

نظریہ مقاصد شریعہ کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں ہر جگہ رہنمائی کی ضرورت ہے ۔ انسانی ضروریات میں سے بعض ایسی ہیں جو انفرادی ہیں اور ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے ۔ ان ضروریات کے بارے میں انسانی

رهنمائی انسان کی جبلت اور اس کے بدنی تقاضوں کی صورت میں رکھ دی گئی ہے لیکن انسان اجتماعی زندگی گزارتا ہے لہذا اس کی معاشرتی حیثیت کے لیے بھی رهنمائی کی ضرورت ہے ۔ یہ رهنمائی اس لیے بھی ضروری ہے کہ اکثر انفرادی مفادات آپس میں ٹکراتے ھیں اور اس سے اجتماعی مفادات کے مجروح ھونے کا خطرہ ھوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے انسانی معاشرے اپنے تجربات کی بنیاد پر رواجات بناتے ھیں جو یہ طے کرتے ھیں کہ کون سی چیز اچھی ہے کون سی بری ۔ لیکن اس سلسلے میں مسئلہ یہ درپیش آتا ہے کہ ایک تو دنیا میں کوئی بھی چیز نہ مطلقاً اچھی ہے نہ مطلقاً بری ۔ جس چیز میں اچھائی کے پہلو زیادہ ھوتے ھیں ، اسے اچھا کہا جاتا ہے اور جس چیز میں برائی کے پہلو زیادہ ھوں اسے برا ۔ امام شاطبی کے نزدیک یہ معاشرتی تجربہ اور علم بھی درحقیقت اس علم پر مبنی ہے جو انسان کو اللہ تعالی نے وحی کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔ چونکہ دنیا میں ھر چیز انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہے ، اس لیے فطرت کے قانون اور معاشرتی قانون میں ھم آھنگی ہے۔ مختلف شریعتیں جو انسان کی رهنمائی کے لیے نازل کی گئیں ان سب کا مقصد و منشاء ، مصالح کا حصول اور ان کی حفاظت ہے۔

انسانی مصالح جو شریعت خداوندی کے پیش نظر ھیں ، ان میں اس دنیا کے مصالح بھی ھیں اور آخرت کے بھی ۔ آخرت کے بارے میں چونکہ انسان کا معاشرتی تجربہ کسی طرح بھی رهنمائی نہیں کرتا ، اس لیے ان کی بنیاد کلیۃً وحی پر ہے۔

مصلحتیں دو طرح کی ھیں ۔ ایک تو وہ جو انسانی مفادات کی براہ راست حفاظت کرتی ھیں یا ان کی نشوونما میں مدد دیتی ھیں ۔ دوسری وہ جو ان مفادات کے حصول میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو

دور کرتی ھیں ۔ دوسری قسم کی مثال قانونی سزائیں ھیں جو اپنی ذات سے مصالح نہیں ھیں لیکن چونکہ وہ ان اسباب و عوامل کو ختم کرتی ھیں جن سے مصالح کی حفاظت اور استحکام پر اثر پڑتا ہے اس لیے بالواسطہ وہ بھی مصالح میں شمار ھوتی ھیں ۔

شاطبی نے پانچ چیزوں کی حفاظت کو بنیادی مصلحتوں میں شمار کیا ہے ۔ وہ ھیں دین، نفس، عقل، مال اور نسل ۔ ان کی بنیادی حیثیت ہے ۔ باقی یا تو ان کو مکمل کرتی ھیں یا ان کی حفاظت کو بہتر بناتی ھیں ۔

شاطبی کے نزدیک تمام شرائع اور شریعت اسلامیہ کے تمام اصول و مآخذ کا مقصد انہی مصالح کی حفاظت ہے ۔ ان کی حفاظت ابدی اصول ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ھو سکتی لیکن ان کی تعریف اور توضیح کے سلسلے میں دقت پیش آ سکتی ہے ۔ اس سلسلے میں شاطبی وضاحت کرتے ھیں کہ چونکہ معاشرتی حالات بدلتے رھتے ھیں اس لیے دنیوی مصالح کے مفہوم میں تبدیلی آ سکتی ہے لیکن وہ مصالح جن کا تعلق آخرت سے ہے ان میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی ۔ چنانچہ وہ مصالح جن کا تعلق ,,حفاظت دین،، سے ہے وہ اُخروی مصالح میں شمار ھوں گی ۔ لہذا جہاں تک باقی چار مصالح یعنی نفس ، عقل، مال اور نسل کی حفاظت کا تعلق ہے حالات و زمانہ کی رعایت سے ان کے مفہوم میں تبدیلی کا امکان ہے لیکن ,,دین،، میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں ۔

اس توضیح کے ساتھ شاطبی ,,بدعت،، کے تصور کی تشریح کرتے ھیں کہ ھر ,,تبدیلی،، اور ھر نئی چیز کو ,,بدعت،، نہیں کہا جا سکتا ۔ امام شاطبی کے نزدیک ,,بدعت،، ,,لغوی،، اور دینی طور پر قابل مذمت شے کو کہتے ھیں ۔ بہت سی ایسی نئی اشیاء ھیں جو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے بعد پیش آئیں لیکن انھیں کسی طرح بھی قابل مذمت نہیں کہا جا سکتا ۔ امام شاطبی بعض فقہاء کی ان کوششوں پر گرفت کرتے ھیں جنھوں نے بدعت کو اچھی اور بری قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ امام شاطبی کے خیال میں ,,بدعت،، کبھی اچھی نہیں ھو سکتی ۔ ان کے ھاں بدعت صرف ان نئی چیزوں، اضافوں یا نئے طور طریقوں کو کہا جا سکتا ہے جو دین میں داخل کیے جائیں اور انھیں دین کا جزو سمجھا جائے ۔ ان کے علاوہ کسی نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جا سکتا ۔

اس وضاحت کی بنیاد اس امر پر ہے کہ شاطبی کے نزدیک شریعت عطا کرنے کا حق محض اللہ تعالی کو ہے، کسی انسان کو نہیں ۔ خصوصاً وحی کا سلسلہ بند ھونے کے بعد کوئی انسان کسی بھی حیثیت سے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ لیکن چونکہ اللہ تعالی کا تصور ایک میکانکی خدا کا تصور نہیں بلکہ وہ فعال اور رحمت محض ہے اور انسانی مصالح کا محافظ ہے اس لیے وہ معاشرتی تغیرات کے ذریعے اپنی مشیت کا اظہار کرتا رھتا ہے ۔ چنانچہ ایسے امور جن میں انسانی مفادات کی تعریف معاشرتی تجربات کی بنا پر ھو سکتی ہے ان کا معاملہ انسان کے معاشرتی تجربے پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ تاھم اس سلسلے میں بنیادی اصول شریعت حقہ میں موجود ھیں جو اساسی رھنمائی فراھم کرتے ھیں ۔ لیکن ایسے امور جن میں انسانی مفادات کی تعریف اور توجیہ معاشرتی تجربات سے نہیں ھو سکتی وہ خالصتاً اخروی امور ھین ان میں نہ تبدیلی کی ضرورت ہے نہ امکان ۔ اس لیے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان میں تبدیلی یا اضافہ کرے اور اسے عبادت اور دینی فریضہ کا درجہ دے ۔

آج ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ شریعت اسلامیہ کے انھی حقائق و اسرار کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم اسلامی قانون کی اصلی روح سے دور ہو گئے ہیں ۔

امام شاطبی کی تاریخ ولادت اور دوسرے حالات زندگی کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں ۔ تاہم ان کی تاریخ وفات ضرور متعین طور پر معلوم ہے ۔ آپ نے ۸ شعبان ۷۹۰ھ میں غرناطہ میں وفات پائی ۔

آپ کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے تاہم ان میں دو خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ایک ابن زمرک، جو سلطان محمد الغنی باللہ کے ملک الشعراء تھے اور ان کے اشعار الحمراء کی محرابوں میں کئی جگہ درج ہیں ۔ مشہور ادیب لسان الدین ابن الخطیب کے بعد ، جو سلطان الغنی باللہ کے وزیر تھے ابن زمرک وزیر کے عہدے پر فائز ہوئے ۔

شاطبی کے دوسرے مشہور شاگرد ابوبکر ابن عاصم ہیں جو غرناطہ کے قاضی القضاۃ تھے ، ان کی کتاب ,,تحفۃ الحکام،، بہت اہم اور مشہور ہے اور عرصہ تک غرناطہ کی عدالتوں میں ضابطے کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے ۔ یہ آج بھی مالکی فقہ کی نہایت اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے ۔ ابن عاصم نے شاطبی کی الموافقات کا خلاصہ بھی لکھا ۔

امام شاطبی کی تصنیفات یا تو عربی زبان کے قواعد کے بارے میں ہیں یا اصول فقہ اور حدیث کے بارے میں ۔ ذیل میں ان کی فہرست دی جاتی ہے ۔

۱ ۔ شرح علی الخلاصۃ فی النحو (ابن مالک کی الفیہ کی شرح)

۲ ۔ الاتفاق فی علم الاشتقاق (غیر مطبوعہ) ۔

۳ ۔ اصول النحو

۴ ۔ کتاب المجالس (صحیح بخاری کی کتاب البیوع کی شرح)

۵ ۔ الافادات والانشادات (مطبوعہ)

٦ ۔ الموافقات ۔ اس کتاب کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔

۷ ۔ الاعتصام (مطبوعہ)

۸ ۔ فتاوی (مطبوعہ)

حوالہ جات

۱ ۔ گولڈزیہر ، فرقہ باطنیہ پر غزالی کا محاکمہ (جرمن) ، لائیڈن ، ۱۹۱٦ ، ص ۳۲ ، بروکلمان ، تاریخ ادبیات عربی (جرمن) ج ۲ ، ص ۳۷۳، آسن پالاسیوس، مطالعہ کرملیہ (فرانسیسی) ، ۱۹۳۲، صفحات ۱۲۱ ۔ ۲۲ ۔

۲ ۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو احمد بابا ، نیل الابتہاج ، قاہرہ ، ۱۳۵۱ھ ، ص ۳٦ ۔ ۵۰ ۔

۳ ۔ امام شاطبی نے ان امور کا ذکر الاعتصام ج ۱ ، ص ۹ پر کیا ہے ۔

۴ ۔ ایضاً ، ج ۲ ، ص ۲۳۷ ۔

۵ ۔ نیل ، ص ۳۹ ۔

★★★

حافظ ابن عبدالبر اندلسی
تعارف ۔ تذکرہ ۔ خدمات

سید علی اصغر چشتی صابری

اندلس ۔ مفسّرین ، محدّثین ، فقہاء ، خطباء اور علماء کی سرزمین ۔ یہاں اتنی قد آور اور متأثرکن شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے نہ صرف اندلس کو بلکہ پوری دنیا کو اپنی علمی، فکری اور عملی خدمات سے متأثر کیا ۔ ان حضرات کو اللہ تعالی نے جو علم دیا تھا اور جو سمجھ عطا کی تھی اس میں بڑا رسوخ اور وثوق تھا ۔ ان میں سے جس نے جو بھی علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ قابل رشک ہے ۔

اندلس میں علم حدیث کی ترویج، خدمت اور اشاعت سے جو حضرات وابستہ رہے ان کی فہرست بہت طویل ہے ۔ ان میں سے جس شخص کو بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ان کا نام شیخ الاسلام حافظ ابن عبدالبر القرطبی ہے ۔

نام ونسب :

آپ کا پورا نام یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی ہے ۔ کنیت ابو عمر اور لقب جمال الدین ہے ۔ آپ کا سلسلہ نسب نمر بن قاسط ابن ھنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار سے ملتا ہے ۔ اس لحاظ سے آپ کا تعلق بنو عدنان سے ہے اور آپ خالص عربی النسل ھیں ۔

مؤرخ ابن خلکان آپ کی نسبت ,,نمری،، کے بارے میں لکھتے ھیں : ,,النمری،، بفتح النون والمیم وبعدھا راء، ھذہ النسبۃ الی النمر

بن قاسط، بفتح النون وکسر المیم ـ وانما تفتح المیم فی النسبة خاصة وهی قبیلة کبیرة مشهورة» (۱) ـ

یعنی حافظ ابن عبدالبر نمری اس لئے کہلاتے ہیں کہ آپ کا نسبی تعلق نمر بن قاسط سے ہے ـ نمر بن قاسط کی طرف جو قبیلہ منسوب ہے وہ بہت بڑا اور مشہور ہے ـ

بنو ربیعہ کے بعض خاندان اندلس کی مشہور وادی آش میں آکر آباد ہوئے تھے ـ یہاں ان کی آبادی پھیل گئی اور بعد میں پورا علاقہ ان کے نام سے منسوب ہو گیا ـ حافظ ابن عبدالبر کا تعلق انہی خاندانوں میں سے ایک خاندان سے ہے ـ

ولادت :

حافظ ابن عبدالبر کی ولادت ۲۵ ربیع الثانی ۳٦۸ ھ کو ہوئی ـ طاہر بن مفوّز جو آپ کے قریبی ساتھیوں اور تلامذہ میں سے ہیں ان کا قول ابن خلکان نقل کرتے ہیں : قال صاحبه ابو الحسن طاهر بن مفوّز المعافری، وهو الذی صلی علیه ، سمعت ابا عمر ابن عبدالبر یقول : ولدت یوم الجمعة والامام یخطب لخمس بقین من شهر ربیع الآخر سنة ثمان و ستین وثلاثمائة » (۲)ـ

یعنی حافظ ابن عبدالبر کے قریبی ساتھی ابو الحسن طاہر بن مفوّز کہتے ہیں کہ میں نے ابن عبدالبر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں ۲۵ ربیع الآخر ۳٦۸ ھ کو جمعہ کے دن اس وقت پیدا ہوا جب امام خطبہ دے رہا تھا ـ طاہر بن مفوّز وہ شخص ہیں جنھوں نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی ـ

بعض روایات میں ہے کہ ابوالحسن طاہر کو آپ نے اپنے والد عبداللہ بن محمد کا وہ مکتوب دکھایا تھا جس میں آپ کی پیدائش کا وقت اور تاریخ درج تھی ـ حافظ ذہبی نے بھی آپ کی پیدائش کی تاریخ ربیع الآخر ۳٦۸ ھ بتائی ہے ـ

آپ کے والد عبداللہ بہت اچھے شاعر اور ادیب تھے لیکن آپ کو ان سے استفادہ کرنے کا موقعہ اس لئے نہ مل سکا کہ آپ کے سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے وہ وفات پاگئے ۔ ۔ ابن خلکان حافظ ابن عبدالبر کے حوالہ سے لکھتے ھیں ۔ ,,وذکر ابو عمر انّ والدہ ابا محمد عبداللہ بن محمد بن عبدالبر توفی فی شھر ربیع الآخر سنة ثمانین وثلاثمائة ۔ و مولدہ سنة ثلاثین وثلاثمائة ،،(۳) ۔

یعنی ابو عمر کہتے ھیں کہ ان کے والد عبداللہ ربیع الثانی ۳۸۰ھ میں وفات پاگئے ۔ان کی ولادت کا سال ۳۳۰ ھ ہے۔ اس بیان سے اندازہ ھوتا ہے کہ آپ کے والد کا انتقال پچاس سال کی عمر میں ھوا ۔ جس وقت آپ کی اپنی عمر بارہ سال تھی ۔

تعلیم وتربیت :

حافظ ابن عبدالبر کی نشوونما قرطبہ میں ھوئی ۔ جو اس وقت اندلس کا دار الخلافہ تھا ۔ دار الخلافہ ھونے کی وجہ سے قرطبہ علم وثقافت اور تہذیب وتمدن کا مرکز تھا ۔ یہاں ھر ایک علم اور فن کے ماھر اور باکمال افراد موجود رھتے تھے ۔ علمی مراکز کی کثرت کی بناء پر بڑے بڑے علماء اور فضلاء یہاں تیار ھوتے تھے ۔ جو فراغت کے بعد علم کی ترویج اور خدمت میں مصروف ھو جاتے تھے ۔ انفرادی علمی حلقوں کے علاوہ یہاں اجتماعی مراکز بھی موجود تھے ۔ جہاں کئی کئی علماء مسلسل تحقیق اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے ۔ ان علمی حلقوں کے وجود کا نتیجہ یہ ھوا کہ اندلس میں معروف اور مشہور علماء کی تعداد بہت بڑھ گئی ۔ دنیا کے دوسرے حصوں سے طلبہ یہاں تحصیل علم کیلئے آنے لگے ۔ اور قرطبہ کو یہ حیثیت حاصل ھو گئی کہ یہاں کے علماء کا قول اور عمل پورے مغرب میں حجت اور سند سمجھا جانے لگا ۔ قرطبہ میں لائبریریوں اور کتب خانوں کی

تعداد بہت بڑھ گئی اور ہر خاص و عام علم کی تحصیل اور طلب میں دلچسپی لینے لگا ۔ اہل قرطبہ علماء کا بہت احترام کرتے تھے ۔ ان کی رائے کی قدر کرتے تھے ۔ علماء کے پاس بیٹھنے کو باعث فخر سمجھتے تھے ۔ اور ہر انفرادی اور اجتماعی امر میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے ۔

ایسے خوشگوار اور علمی ماحول میں حافظ ابن عبدالبر کو پھلنے پھولنے اور بڑھنے کا موقع ملا ۔ آپ نے قرطبہ کے بڑے بڑے علماء اور شیوخ کی صحبت میں رہ کر ان کے علوم سے استفادہ کیا ۔ ان کے پاس بیٹھ کر لکھا اور علم کی جستجو میں خوب محنت کی ۔

اپنی محنت اور خدا داد صلاحیت کی بناء پر آپ نے علماء اندلس میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا ۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ ,,حافظ المغرب ،، کہلائے ۔ آپ نے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ پر بہت توجہ دی ۔ ان دونوں موضوعات پر اپنے اسلاف کی کتب کا آپ نے بغور مطالعہ کیا ۔ اور پھر مفید و جامع کتابیں لکھیں ۔

آپ کا تعلق فقہاء کی اس جماعت سے ہے جو تقلید محض کے قائل نہیں ۔ بلکہ دلائل اور براہین کو دیکھ کر کسی مجتہد کا قول اختیار کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بعض مرتبہ امام مالک کے قول کو ترجیح دیتے ہیں ۔ کبھی امام شافعی کے اجتہاد کو ترجیح دیتے ہیں ۔ امام احمد کو اپنا امام مانتے ہیں اور امام ابو حنیفہ کا ,,امام اعظم ،، کہہ کر تذکرہ کرتے ہیں ۔ آپ کی مؤلفات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے اسلاف میں سے ہر ایک کی قدر اور احترام کرتے تھے ۔ آپ کی اس وسعت قلبی کا نتیجہ ہے کہ محدثین اور فقہاء کے ہر طبقہ میں آپ کو مقبولیت حاصل رہی ۔ اپنے ہم عصر علماء نے آپ کو شیخ ، حافظ المغرب اور امام تسلیم کیا ۔ اور بعد کے علماء نے

آپ کی کتب سے خوشہ چینی کو اپنے لئے سعادت اور باعث فخر سمجھا ۔ ابن رشد جیسا فقیہ اپنی کتاب ,,بدایۃ المجتھد،، میں آپ کی کتاب ,,الاستذکار،، پر اعتماد کرتا ہے ۔ اور اس سے پوری طرح استفادہ کرتا ہے ۔ اور حافظ ابن حجر جیسا محدث اپنی کتاب ,,الاصابہ ،، میں آپ کی کتاب ,,الاستیعاب،، سے مدد لیتا ہے ۔ اور اسے اپنے لئے سند سمجھتا ہے ۔ یہی حال آپ کی دیگر کتب کا ہے ۔ جن سے بعد کے علماء نے متاثر ہوکر اخذ کیا ۔ انھیں پڑھا، پڑھایا اور ان کی ترویج و خدمت کی ۔

قاضی ابو علی الحسین بن محمد الصدفی کہتے ھیں : سمعت شیخنا القاضی ابا الولید الباجی یقول : ,, لم یکن باالاندلس مثل ابی عمر ابن عبدالبر فی الحدیث ،، ۔ وقال ایضاً : ,, ابو عمر أحفظ اھل المغرب،، (۴) ۔

یعنی ھمارے شیخ ابو الولید باجی کہتے تھے کہ اندلس میں ابن عبدالبر جیسا عالم حدیث (محدث) کوئی نہیں آیا اور آپ کہا کرتے تھے کہ ابو عمر مغرب کے حفاظ میں سب سے بڑے حافظ ھیں ۔

قاضی ابو الولید آپ کے شیوخ میں سے ھیں ۔ اس لئے کہ آپ نے ان سے روایات اخذ کی ھیں ۔ اس کے باوجود آپ کی تعریف کرتے ھیں اور آپ کے حفظ وعلم کا اعتراف کرتے ھیں ۔

ابو علی الجیانی کہتے ھیں : ابن عبدالبر شیخنا من اھل قرطبہ بھا طلب الفقہ ولزم أبا عمر احمد بن عبدالملک وکتب بین یدیہ ولزم آبا الولید بن الفرضی ، وعنہ اخذ کثیرا من علم الحدیث ودأب فی طلب العلم و افتن فیہ ، وبرع براعۃ فاق فیھا رجال الاندلس،،(۵) ۔

یعنی ابن عبدالبر ھمارے ان شیوخ میں سے ھیں جن کا تعلق قرطبہ سے ہے ۔ آپ نے قرطبہ میں رہ کر ابوعمر احمد بن عبدالملک

سے فقہ حاصل کی ۔ اور ابوالولید بن الفرضی سے حدیث پڑھی ۔ علم کے حصول میں آپ نے خوب محنت کی اور مشقتیں برداشت کیں اور اتنی مہارت اور کمال حاصل کیا کہ اندلس کے جتنے اہل علم تھے ان میں آپ کو بلند مقام ملا اور فوقیت حاصل ہوئی ۔

غسانی کہتے ہیں کہ حافظ ابن عبدالبر قاسم بن محمد اور احمد بن خالد کی بہت تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں ان جیسا کوئی عالم نہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن عبدالبر خود بہت بڑے عالم تھے اور ان دونوں حضرات سے کسی طرح بھی کم نہ تھے (٦) ۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں : ابن عبدالبر کو علم حدیث میں تقدّم اور علم فقہ اور معانی میں بصیرت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ علم الانساب اور علم الاخبار میں بھی پوری طرح دسترس حاصل تھی ۔ اس کا اندازہ ان تالیفات سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے اس موضوع پر لکھی ہیں (٧) ۔

حافظ ذہبی کا کہنا ہے کہ ابو عمر کو کتاب الزعفرانی اور سنن ابو داؤد نہایت اعلی سندوں سے حاصل ہوئیں ۔ پہلی کتاب کا آپ نے ابن صیفون سے، انھوں نے ابن الاعرابی سے اور انھوں نے مؤلف سے سماع کیا ہے ۔ اور دوسری کتاب کا عبدالمؤمن سے انھوں نے ابن داسہ سے اور انھوں نے امام ابو داؤد سے سماع کیا ہے ۔ اس طرح آپ امامت کے ساتھ ساتھ علو اسناد کے بھی حامل ہیں (٨) ۔

حافظ ابن عبدالبر نے اپنی ساری زندگی اندلس میں گذاری ۔ اندلس سے باہر جانے کا آپ کو موقع نہ ملا ۔ ابتدائی زندگی قرطبہ میں گذری ۔ قرطبہ کے علماء سے آپ نے کسب فیض کیا اور یہیں سے اپنی علمی اور عملی زندگی کا آغاز کیا ۔ لیکن بعد میں آپ نے قرطبہ

کو خیرباد کہا ۔ اور اشبیلیہ کی طرف گئے ۔ اشبیلیہ میں آپ کو آرام اور سکون نہ ملا ۔ کئی مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ اسے چھوڑتے ہوئے آپ نے ایک نظم کہی جس کے چند اشعار یہ ہیں :

(۱) تنکر من کنانسر بقربہ
وعاد زعاقا بعد ان کان سلسلا

(۲) بلیت بحمص والمقام ببلدۃ
طویلا لعمری مخلق یورث البلی

(۳) اذا ھان حر عند قوم اتاھم
ولم یناعنھم کان أعمی و أجھلا

(۴) ولم تضرب الامثال الا لعالم
وما عوتب الانسان الا لیعقلا (۹)

اشبیلیہ چھوڑ کر آپ نے مشرقی اندلس کی طرف کوچ کیا ۔ مختلف اوقات میں دانیہ، بلنسیہ اور شاطبہ میں سکونت اختیار کی ۔ یہاں آپ کی زندگی خوشگوار رہی ۔ مظفر بن الافطس کے دور میں آپ اشبونہ اور شنترین کے قاضی رہے ۔ ابن خلکان لکھتے ہیں :

,,وفارق قرطبہ وجال فی غرب الاندلس ، ثم تحوّل الی شرق الاندلس وسکن دانیۃ من بلادھا ، وبلنسیہ وشاطبہ ۔ وتولی قضا الاشبونہ ، وشنترین فی ایام ملکھا المظفر بن الافطس،،(۱۰) ۔

یعنی قرطبہ چھوڑ کر حافظ ابن عبدالبر مغربی اندلس چلے گئے ۔ پھر وہاں سے مشرقی اندلس کا رخ کیا اور دانیہ میں سکونت اختیار کی ۔ بعد میں بلنسیہ آئے اور پھر شاطبہ میں رہے ۔ ملک مظفر کے عہد میں آپ کو اشبونہ اور شنترین کے قضا کا منصب دیا گیا ۔

وفات :

حافظ ابن عبدالبر کی زندگی کا آخری حصہ مشرقی اندلس میں گذرا ۔ آپ آخر تک شاطبہ میں رہے اور یہیں وفات پائی ۔ ابو داؤد

مقری کہتے ھیں کہ ابو عمر پچانوے سال پانچ مہینے زندہ رھنے کے بعد بروز جمعرات آخر ربیع الثانی ۴۶۳ھ میں مالک حقیقی سے جاملے (۱۱) ۔ ابن خلکان نے بھی آپ کی تاریخ وفات یہی بتائی ہے۔

اساتذہ اور شیوخ :

حافظ ابو عمر نے بہت سارے شیوخ سے استفادہ کیا ۔ یہاں ھم صرف ان حضرات کا تذکرہ کرتے ھیں جو بہت معروف اور مشہور ھیں ۔ ان سب حضرات کا تعلق اندلس سے ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے تحصیل علم کیلئے اندلس سے باھر کا سفر نہیں کیا ۔

(۱) خلف بن القاسم بن سھل بن الدباغ الاندلسی (م ۔ ۳۹۳ھ)

اندلس کے کبار علماء اور مشہور حفاظ میں سے ھیں ۔ ابن عبدالبر نے ان سے خوب استفادہ کیا ۔

(۲) عبدالوارث بن سفیان بن حبرون :

آپ مشہور محدث اور امام قاسم بن اصبغ کے خاص شاگردوں میں سے ھیں قاضی بن زرب اور ابن ابی دلیم سے بھی علم حدیث حاصل کیا ۔ ابن عبدالبر نے شیخ عبدالوارث کی بہت تعریف کی ہے اور اپنی کتاب ,,الاستیعاب فی معرفة الاصحاب،، میں بہت ساری روایات ان کی سند سے نقل کی ھیں ۔ جس سے بآسانی یہ اندازہ ھوتا ہے کہ ابن عبدالبر شیخ عبدالوارث کے علمی مقام سے بہت متاثر تھے اور ان پر بہت اعتماد کرتے تھے ۔

(۳) عبدالله بن محمد بن عبدالمؤمن (م ۔ ۳۹۰ھ)

آپ نے عراق کے اکابر علماء سے علم حدیث میں استفادہ کیا ۔ اور اندلس میں حلقہ درس قائم کیا ۔ جہاں دور دور سے حدیث کے طلبہ روایات اخذ کرنے کیلئے آتے تھے ۔ اندلس کے محدثین میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ابن عبدالبر نے ان سے سنن ابو داؤد کا سماع کیا۔

عبد المؤمن نے ابن داسه سے اور ابن داسه نے براہ راست امام ابو داؤد سے ان کی سنن کا سماع کیا ہے۔ اس لحاظ سے ابن عبدالبر کو عالی سند کے ساتھ سنن ابو داؤد کی روایات ملی ہیں (۱۲) ۔

(۴) محمد بن عبدالملک بن صیفون الرصافی:

آپ نے ابو سعید بن الاعرابی سے علم حدیث حاصل کیا اور بڑی شہرت پائی ابن عبدالبر ان کی خدمت میں رہے اور ان سے کتاب الزعفرانی کا سماع کیا ۔ یہ کتاب بھی ابن عبدالبر کو عالی سند کے ساتھ حاصل ہوئی اس لئے کہ ابن صیفون نے اس کا سماع ابن الاعرابی سے کیا ہے اور ابن الاعرابی نے براہ راست مؤلف سے کیا ہے (۱۳) ۔

(۵) ابو محمد عبدالله بن احمد بن عبدالرحمن بن أسد الجهنی:

آپ نے پہلے اندلس کے علماء سے استفادہ کیا ۔ پھر حجاز، شام اور مصر تحصیل علم کی غرض سے سفر کئے ۔ اپنے دور کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے ۔ ابن عبدالبر نے آپ سے کسب فیض کیا ۔

(٦) ابو علی حسن بن عبدالله بن یعقوب البیجانی:

آپ نے سعید بن مخلوف سے عبدالملک بن حبیب کی کتاب کا سماع کیا ۔ ابن عبدالبر نے ابو العباس اور احمد بن عمر العذری کے ہمراہ ان سے یہ کتاب اخذ کی ۔ اور شرف تلمذ حاصل کیا ۔

(۷) ابو عمر احمد بن محمد بن احمد بن سعید المعروف بابن الجسور (م۴۰۱ھ)

آپ علمائے حدیث کے ہاں بڑی شہرت رکھتے ہیں ۔ آپ نے ابوعلی الحسن بن سلمه ، ابوبکر احمد بن الفضل الدینوری ، وهب بن مسرة، محمد بن معاویة القرشی اور قاسم بن اصبغ جیسے شیوخ سے کسب علم کیا ۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے ان میں

ابو محمد علی بن احمد اور ابن عبدالبر کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ۔

(۸) حافظ ابو عثمان سعید بن نصر بن عمر بن خلف الاندلسی:

آپ نے علم کی جستجو میں بہت سفر کئے ۔ خراسان میں بہت عرصہ تک رہے ۔ ابو سعید بن الاعرابی اور اسماعیل الصفار جیسے شیوخ سے کسب فیض کیا ۔ اندلس میں قاسم بن اصبغ اور وھب بن مسرۃ سے استفادہ کیا ۔ ابن عبدالبر آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ھیں ۔ آپ نے بخارا میں وفات پائی ۔

(۹) ابو الفضل احمد بن قاسم بن عبدالرحمن التاھرتی:

آپ تاھرت میں پیدا ھوئے اور بچپن ھی میں والد کے ساتھ اندلس منتقل ھوئے ۔ آپ کی نشوونما اندلس میں ھوئی ۔ اندلس کے علماء سے کسب علم کیا ۔ ابن ابی دلیم ، قاسم بن اصبغ اور وھب بن مسرہ آپ کے شیوخ میں سے ھیں ۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ لیکن ان میں ابو عمران الفاسی اور ابن عبدالبر زیادہ معروف ھوئے ۔

(۱۰) ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ الطلمنکی (۳۴۰ ۔ ۴۲۹ھ)

طلمنکہ اندلس میں ایک بستی کا نام ہے ابو عمر یہیں پیدا ھوئے اور اسی کی طرف منسوب ھوئے ۔ آپ اپنے دور میں قرأت کے امام مانے جاتے تھے ۔ آپ نے ابوبکر محمد بن یحیی الدمیاطی، ابو عیسیٰ یحیی بن عبداللہ لیثی ، ابوبکر زبیدی، ابو عبداللہ بن مفرج، احمد بن عون اللہ ، ابو محمد عبداللہ بن محمد بن علی باجی ، خلف بن محمد خولانی ، ابن بشر انطاکی ، حج کرنے کے بعد ابو طاھر محمد بن محمد عجیفی اور مدینہ میں یحیی بن حسین مطلبی ، ابوبکر فوادی ، ابو حفص بن عراک اور ابو العلا بن ماھان سے اکتساب فیض کیا ۔

آپ قرآن کے حروف ، اعراب، ناسخ ومنسوخ ، احکام اور معانی کے جاننے میں ہم عصروں پر فائق تھے ۔ فن حدیث اور معرفت رجال میں پوری توجہ مرکوز رکھتے تھے ۔ حدیث کے حافظ اور دیانت کے اصول سے باخبر تھے ۔ آپ سے امام ابو عمر بن عبدالبر ، امام ابو محمد بن حزم اور عبداللہ بن سہل اور دوسرے حضرات روایت کرتے ہیں (۱۳) ۔

(۱۱) ابو عمر احمد بن عبدالملک الاشبیلی المعروف بابن المکوی :

آپ قرطبہ کے مفتی اعظم تھے ۔ آپ نے منصور بن ابی عامر کی ہدایت پر ابومروان معیطی کے ساتھ مل کر امام مالک کے اقوال کو جمع کیا ۔ اور انھیں کتابی شکل دی ۔ ابن عبدالبر نے ان کی خوب صحبت حاصل کی ۔ اور بہت زیادہ استفادہ ان سے کیا ۔

(۱۲) علامہ باجی تجیبی قرطبی (م ۴۷۴ھ)

آپ کی کنیت ابو الولید نام سلیمان بن خلف بن سعید بن ایوب بن وارث ہے ۔ قرطبہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور تصانیف کثیرہ کے مصنف ہیں ۔ آپ کو مختلف الانواع علوم وفنون میں دسترس حاصل تھی ۔ اشبیلیہ کے قریب ایک شہر باجہ کی طرف منسوب ہو کر آپ باجی کہلاتے ہیں ۔ یہاں آپ کے دادا بطلیوس سے منتقل ہوکر آباد ہوئے تھے ۔

آپ نے یونس بن عبداللہ قاضی ، مکی بن ابوطالب ، محمد بن اسماعیل ، ابوبکر محمد بن حسن بن عبدالوارث سے اندلس میں استفادہ کیا ۔ مکہ معظمہ میں حافظ ابوذر کی صحبت میں آپ مسلسل تین سال تک رہے اور ان کی خوب خدمت کی ۔ حفاظ حدیث میں حافظ ابو القاسم بن طبیز ، علی بن موسی سمسار، سکن بن جمیع

حیدادی اور ابوطالب عمر بن ابراهیم زهری نیز اس طبقه کے دوسرے حضرات سے استفاده کیا ۔ تیره سال طالب علمی کی زندگی گذارنے کے بعد آپ اندلس واپس ہوئے ۔ اور علم حدیث کی خدمت شروع کی ۔

آپ کے تلامذه میں حافظ ابوبکر خطیب اور حافظ ابو عمر بن عبدالبر کا نام سرفہرست ہے۔ حالانکه یه دونوں حضرات عمر اور علم وفضل نیز شہرت میں آپ سے زیاده هیں (۱۵) ۔

مذکوره بالا شیوخ کے علاوه ابن عبدالبر نے ابو مطرف القنازعی، قاضی یونس بن عبدالله، ابو الولید بن الفرضی ، احمد بن فتح الرسان اور یحیی بن وجه الجنة سے کسب علم کیا ۔ اور ان سے روایتیں لیں ۔

ابو الفتح بن سیبخت اور حافظ عبدالغنی نے مصر سے آپ کو تحریری طور پر اجازت دی اسی طرح ابو القاسم عبیدالله بن السقطی احمد بن نصر الدراوردی اور شیخ الحرم ابو ذر الهروی نے مکه مکرمه سے آپ کو اپنی تحریر کے ذریعه اجازت دی ۔ اس سے اندازه هوتا ہے که ابن عبدالبر کو اپنے دور میں علماء اور شیوخ کے هاں کتنی شہرت اور وقعت حاصل هو گئی تھی ۔

تلامذه

حافظ ابن عبدالبر کے تلامذه کی تعداد بہت زیاده ہے۔ ان میں سے جنهیں زیاده شہرت حاصل هوئی ان کے نام یه هیں ۔

ابو العباس دلائی، ابو محمد بن ابو قحافه، ابو الحسن بن مفوّز ، ابو علی غسّانی، ابو عبدالله حمیدی، ابوبحر سفیان بن عاص محمد بن فتوح الانصاری اور ابوداؤد سلیمان بن ابو القاسم ـــــ ان میں سے هر ایک کا تذکره کرنا خوف طوالت کی وجه سے مشکل ہے۔ البته ان دو حضرات کے بارے میں مختصراً کچھ کہنا ضروری ہے۔ جنهوں نے علم حدیث کی بہت زیاده خدمت کی اور علمائے حدیث کے هاں حافظ کے لقب کے مستحق هوئے ۔

(۱) حافظ حمیدی اندلسی (۴۲۰ ھ ـ ۴۸۸ھ)

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام محمد بن ناصر ازدی ہے۔ اندلس کے رہنے والے پختہ کار حافظ حدیث ہیں ۔ اپنے جد اعلی حمید کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے حمیدی کہلاتے ہیں ۔ اور اندلس کے مشرقی جانب جزیرہ میورقہ کی طرف نسبت کی وجہ سے میورقی بھی کہلاتے ہیں ۔ آپ نے اندلس، شام، مصر، عراق اور حرم کے حلقہ ہائے درس میں حدیث کا سماع کیا ۔ تحصیل علم کیلئے کافی عرصہ بغداد میں بھی رہے ۔

آپ کے مشہور اساتذہ میں سے حافظ ابوعمر بن عبدالبر ، ابن حزم، ابو زکریا عبدالرحیم بخاری، حافظ ابوبکر خطیب اور ابو جعفر بن مسلمہ ہیں ۔

امیر ابن ماکولا کہتے ہیں ، میں نے نزاہت ، عفت اور علمی مصروفیت میں اپنے دوست حمیدی جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا ۔ ابراھیم سلماسی کا کہنا ہے کہ فضیلت، وسعت علم، عقلمندی اور اشاعت علم کی حرص میں میری آنکھوں نے امام حمیدی جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا ۔

آپ کی تالیفات میں سے جو مشہور ہوئیں ان کے نام یہ ہیں :

(I) کتاب الجمع بین الصحیحین ۔ (II) تاریخ اندلس

(III) جمل تاریخ الاسلام ۔ (IV) ذھب المسبوک فی وعظ الملوک ۔

(V) کتاب الترسل ۔ (VI) کتاب مخاطبات الاصدقاء ۔

(VII) کتاب حفظ الجار ۔

(۲) امام غسّانی جیانی اندلسی (۴۲۷ ھ ـ ۴۹۸ھ)

آپ کی کنیت ابوعلی اور نام حسین بن محمد بن احمد ہے ۔ اندلس کے رہنے والے پختہ کار محدث اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔

آپ نے حافظ ابو عمر بن عبدالبر ، حکم بن محمد ، حاتم بن محمد طرابلسی، ابو شاکر عبدالواحد فیری، ابو عبداللہ بن عتاب ، محدّث ابو عمرو بن حذاء ، قاضی سراج بن عبداللہ ، قاضی ابو الولید باجی، ابو العباس بن دلہاث اور دوسرے متعدد اہل علم سے استفادہ کیا ۔ آپ کے سارے شیوخ اندلسی ہیں ۔ تحصیل علم کیلئے آپ اندلس سے باہر نہیں گئے ۔

آپ کا شمار صاحب بصیرت اور صاحب ضبط واتقان نقاد حدیث میں ہوتا ہے۔ ادب عربی، لغت ، شعروشاعری اور علم الانساب میں آپ کو کمال حاصل تھا ۔ ان جملہ فنون میں آپ نے کتابیں لکھیں ۔ دور دراز علاقوں کا سفر کرکے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔ اور آپ کی نقل پر اعتماد کرتے تھے ۔ آپ جامع قرطبہ میں صدر المدرسین کے منصب پر فائز تھے ۔ چوٹی کے علماء آپ سے استفادہ کو باعث فخر سمجھتے تھے ۔

علامہ خلف بن بشکوال نے آپ سے بہت استفادہ کیا ۔ اور کہا ہے کہ مجھے بہت سے لوگوں نے آپ کے متعلق خبر دی ہے اور آپ کو جلالت قدر، حفظ و اتقان، عقلمندی ، منکسر المزاجی اور عفت وعصمت سے موصوف بتایا ہے ۔

سہیلی روض الانف میں لکھتے ہیں : مجھے ابوبکر بن طاھر نے ابو علی غسّانی کے متعلق بتایا کہ حافظ ابن عبدالبر نے ان سے کہا تھا : تمہارے ذمہ یہ اللہ تعالی کا عہد ہے کہ جب کسی صحابی کا نام دیکھو کہ میں نے ذکر نہیں کیا ۔ اسے میری کتاب ,,الاستیعاب فی معرفة الاصحاب،، میں درج کر دینا (۱۸) ۔

اس سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر کا ابوعلی غسّانی سے کتنا گہرا تعلق تھا اور وہ ان پر کتنا اعتماد کرتے تھے ۔

مصنفـــات اور مؤلفـات:

حافظ ابن عبدالبر کو اللہ تعالی نے تصنیف و تألیف کا راسخ ملکه عطا فرمایا تھا ـ آپ نے تفسیر ، حدیث ، فقه اور ادب کی خدمت اپنے قلم کے ذریعے کی ـ لیکن زیاده توجه علم حدیث اور فقه پر دی ـ کشف الظنون میں آپ کی جن کتب کا تذکره کیا گیا ہے ـ ذیل میں هم ان کے نام نقل کر دیتے هیں ـ

۱ ـ آداب العلم ـ

۲ ـ الاجوبة الموعبة علی المسائل المستغربة من صحیح البخاری ـ

۳ ـ الاستذکار لمذاهب ائمة الامصار ـ

۴ ـ الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ـ

۵ ـ الاکتفاء فی قرآة نافع وابی عمرو ـ

٦ ـ الانبـاء عن قبائل الرواة ـ

۷ ـ الانتهاء فی فضائل الثلاثة الفقهاء ـ

۸ ـ الانصاف فیما بین العلماء من الاختلاف ـ

۹ ـ بهجة المجالس وانس الجالس ـ

۱۰ ـ البیان فی تاویلات القرآن ـ

۱۱ ـ التفصی بحدیث المؤطا ـ

۱۲ ـ التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید ـ

۱۳ ـ جامع بیان العلم وفضله وما ینبغی فی روایته وحمله ـ

۱۴ ـ الدرر فی اختصار المغازی والسیر (۱۸) ـ

کشف الظنون میں آپ کی کتب کی جو فهرست دی گئی ہے ـ اس میں کئی کتابیں ره گئی هیں ـ خاص کر ,,الکافی فی فقه اهل المدینة ،، جو ابن عبدالبر کی معرکة الآراء کتاب ہے اس کا تذکره نهیں کیا گیا ـ اس کی وجه یه هو سکتی ہے که ابن عبدالبر کی بعض

کتابیں اس وقت مطبوعہ شکل میں نہیں تھیں ۔ بعد میں طبع ہو کر سامنے آئی ھیں ۔ جو کتابیں دستیاب تھیں ان کا تذکرہ آ گیا اور جو نایاب تھیں وہ نشاندھی سے رہ گئیں ۔

حافظ ذھبی نے مذکورہ کتب کے علاوہ جو کتابیں آپ کی طرف منسوب کی ھیں ان کے نام یہ ھیں :

۱ ۔ کتاب الکنـی ۔
۲ ۔ کتاب القصد والامم فی انساب العرب والعجم ۔
۳ ۔ کتاب الشواھد فی اثبات خبر الواحد ۔
۴ ۔ کتاب الانصاف فی اسماء اللہ تعالی ۔
۵ ۔ کتاب الفرائض (۱۹) ۔

ان کتب میں جن کو زیادہ مقبولیت حاصل ھوئی ذیل میں ھم مختصراً ان کا تعارف کرتے ھیں ۔

(۱) التمھید لمافی المؤطا من المعانی والاسانید :

مؤطا امام مالک کی سب سے عمدہ اور خوبصورت شرح ہے۔ ابن عبدالبر نے امام مالک کے شیوخ کے ناموں کی ترتیب کے مطابق ان کی روایات کو مرتب کیا ہے ۔ اور ھر ایک روایت کی سند کے رجال پر بحث کی ہے ۔ پھر روایت کی تفصیلی شرح کی ہے ۔ آپ سے پہلے کسی نے اس طرز پر حدیث کی کوئی کتاب ترتیب نہیں دی تھی ۔ ابن حزم اس کتاب کے بارے میں کہتے ھیں : لا اعلم فی الکلام علی فقه الحدیث مثله ۔ فکیف احسن منه ،، (۲۰) ۔

یعنی فقه الحدیث کے موضوع پر اس جیسی کوئی اور کتاب میرے علم میں نہیں ۔ اور اس سے بہتر کا تو سوال ھی پیدا نہیں ھوتا ۔ شیخ محمد اس ضمن میں لکھتے ھیں :

,,شرح المؤطا خلق کثیر منھم الحافظ ابو عمر بن عبدالبر النمری القرطبی ، وله علیه شرحان ۔ اولھما ۔ التمھید لمـا فی المؤطـا من

المعانی والاسانید ۔ رتبه علی اسماء شیوخ مالک علی حروف المعجم وهو کتاب لم یتقدمه ، احد الی مثله (۲۱) ۔

یعنی مؤطا کی شروح بہت لوگوں نے لکھی ہیں ۔ ان میں ایک حافظ ابن عبدالبر القرطبی ہیں ۔ انھوں نے مؤطا کی دو شرحیں لکھی ہیں ۔ ایک ,,التمهید ،، ہے ۔ جس میں امام مالک کے شیوخ کے ناموں کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے اور ان کی روایتیں جمع کی گئی ہیں ۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی ۔

حافظ ابن عبدالبر خود اپنی اس کتاب کو بہت چاہتے تھے ۔ آپ اس کے بارے میں کہتے ہیں : ۔

(۱) سمیر فوأدی من ثلاثین حجّة
وصاقل ذهنی والمفرّج عن هم

(۲) بسطّت لهم فیه کلام نبیهم
لما فی معانیه من الفقه والعلم

(۳) وفیه من الآداب ما یهتدی به
الی البرّ والتقوی ونهی عن الظلم (۲۲)

یعنی یہ کتاب تیس سال سے میرے دل کا مونس اور ساتھی ہے ۔ میرے ذهن کی صفائی کا ذریعه اور میرے غموں کو دور کرنے کا وسیله ۔ میں نے اس میں لوگوں کیلئے ان کے نبی صلی الله علیه وسلم کے کلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ اس کے معانی و مطالب اور نکات کی وضاحت کی ہے ۔ اس میں ایسے آداب ہیں جن کے اپنانے سے نیکی اور تقوی حاصل ہوتی ہے اور ظلم سے دور رہنے کی توفیق ملتی ہے ۔

,,التمهید ،، واقعی ایسی کتاب ہے جس کی ترتیب میں بڑی محنت اور کوشش کی گئی ہے ۔ اس کے مطالعه سے قاری پر یه

حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مؤلف نے اس کی تالیف میں بڑی توجہ ، انہماک اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ پہلے یہ کتاب نایاب تھی۔ اب عام دستیاب ہے۔ پاکستان میں مکتبہ قدوسیہ لاہور نے اسے طبع کیا ہے۔

(۲) الاستذکار فی شرح مذاهب علماء الامصار :

ابن عبدالبر نے مؤطا کی دوسری شرح ,,الاستذکار،، کے نام سے لکھی۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ التمهید ،، کا اختصار ہے۔ کشف الظنون میں ہے۔

,,له کتاب التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید ..... واختصره وسماه الاستذکار،،(۲۳) ۔

یعنی آپ کی ایک کتاب التمهید ہے جسے آپ نے مختصر کیا اور ,,الاستذکار،، نام رکھا ۔

لیکن یہ بات صحیح نہیں ,,الاستذکار،، آپ کی مستقل تالیف ہے۔ جس میں آپ نے مؤطا کے ابواب کی تنسیق کی ہے اور علماء کے مذاهب پر بحث کی ہے۔

شیخ محمد اس کے بارے میں کہتے ہیں : کتاب الاستذکار فی شرح مذاهب علماء الامصار ،، ,,شرح فیه الموطا علی وجهه ،،(۲۴) ۔

یعنی کتاب الاستذکار مؤطا کی مستقل شرح ہے جو ابن عبدالبر نے اپنے خاص طرز پر لکھی ہے۔ اور ابن خلکان کہتے ہیں : شرح فیه المؤطا علی وجهه ونسق ابوابه ،،(۲۵) ۔

یعنی اس کتاب میں ابن عبدالبر نے مؤطا کی روایات کی شرح اپنے طرز پر کی ہے اور اس کے ابواب پر بھی کام کیا ہے۔

,,الاستذکار،، کو علماء کے ہاں بڑی اهمیت اور مقبولیت حاصل ہے۔ علامه ابن رشد نے اپنی کتاب ,,بدایة المجتهد ،، میں اس اس سے خوب استفاده کیا ہے۔

(۳) التفصّی لحدیث المؤطا :

عام طور سے مؤطا پر ابن عبدالبر کی دو شرحیں مشہور ھیں ۔ لیکن آپ نے مؤطا کی ایک اور شرح بھی لکھی ہے ۔ کشف الظنون میں اس کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے :

صنف الحافظ ابو عمر ابن عبدالبر القرطبی کتاباً سماہ ,,التفصّی لحدیث المؤطا ،، (۲۶) ۔

یعنی حافظ ابن عبدالبر نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام التفصیّ لحدیث المؤطا ،، رکھا ۔

موسی بن ابوتلید اور ابو محمد بن عتاب کہتے ھیں کہ ھم نے ابو عمر ابن عبدالبر سے ان کی کتاب التفصی پڑھی ہے (۲۷) ۔ اس سے معلوم ھوتا ہے کہ آپ اپنی حیات میں یہ کتاب پڑھاتے تھے اور اس کی اتنی شہرت ھو گئی تھی کہ لوگ اسے اخذ کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں آتے تھے ۔

(۴) الاستیعاب فی معرفة الاصحاب :

ابن عبدالبر کی سب سے معروف اور مایہ ناز کتاب ,,الاستیعاب،، ہے ۔ اس کتاب میں آپ نے وہ روایات جمع کی ھیں جن کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء اور حیات سے ہے ۔ آپ سے پہلے اس موضوع پر کئی محدثین نے کام کیا تھا ۔ مثلاً ابو القاسم بغوی ، ابوبکر بن ابی داؤد، عبدان ، شیخ مطیّن ، ابن السکن، ابن شاھین ابو منصور الماوردی ، ابن حبان، طبرانی اور حافظ ابن مندہ وغیرہ نے ۔ ان سب حضرات کے کام کو مدنظر رکھ کر آپ نے الاستیعاب مرتب کی ۔ ابن عبدالبر نے اپنی کوشش کے مطابق ان تمام کتب کا مواد اپنی کتاب میں جمع کیا ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ سے بہت کچھ رہ گیا ۔ حافظ ابن حجر اس بارے میں لکھتے ھیں :

,,سمی کتابه الاستیعاب لظنه انه استوعب مافی کتب من قبله، ومع ذلک ففاته، شئی کثیر فذیل علیه ابوبکر بن فتحون ذیلا حافلا وذیل علیه جماعة فی تصانیف لطیفة،، (۲۸) ۔

یعنی ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کا نام ,,الاستیعاب،، اس لئے رکھا کہ آپ اس موضوع پر اسے گذشتہ کتب کی جامع سمجھتے تھے لیکن آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ۔ بہت کچھ آپ سے چھوٹ گیا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں ابوبکر بن فتحون اور دیگر علماء نے اس کتاب پر ضمیمے لکھے ۔

ابوبکر محمد بن خلف بن سلیمان بن فتحون (م ۵۳۰ ھ) نے الاستیعاب پر جو ضمیمہ (ذیل) لکھا ہے۔ اس کا نام ,,الاستلحاق علی الاستیعاب فی معرفة الاصحاب،، ہے (۲۹) ۔

یہ بات صحیح ہے کہ ,,الاستیعاب ،، اس موضوع پر بالکل جامع کتاب نہیں ہے۔ لیکن بہرحال یہ معرفة صحابہ میں ایک مفید، مستند اور قابل اعتماد مجموعہ ہے۔ بعد میں جن محدثین نے اس عنوان پر کام کیا ہے انھوں نے اس کتاب پر اعتماد کیا ہے اور اس سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ,,الاصابہ،، کی ترتیب میں اسے پوری طرح پیش نظر رکھا ہے۔ اور خوب اخذ کیا ہے۔ مطبعة السعادة ۔ مصر نے الاصابة کے ساتھ ہی حاشیہ پر ,,الاستیعاب،، کو چھاپ دیا ہے۔ اس طرح قاری بہ یک وقت دونوں کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ الاستیعاب کی ترتیب بہت عمدہ اور خوبصورت ہے ابن خلکان اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ,, جمع ابن عبدالبر فی اسماء الصحابہ رضی اللہ عنہم کتاباً جلیلاً مفیداً سمّاہ الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ،،(۳۰) ۔

یعنی ابن عبدالبر نے اسماء صحابہ کے عنوان سے بہت جلیل القدر اور مفید کتاب لکھی جس کا نام الاستیعاب رکھا ۔

(۵) جامع بیان العلم وفضله وما ینبغی فی روایته وحمله :

حافظ ابن عبدالبر کی یہ کتاب علم اور علماء کی فضیلت نیز علماء کے فرائض کے موضوع پر نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ آپ نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، تابعین ، تبع تابعین اور دیگر جلیل القدر علماء کے اقوال جمع کئے ہیں اور بہت خوبصورت انداز میں ترتیب دی ہے آپ سے پہلے اس موضوع پر کئی علماء نے قلم اٹھایا۔ جوامع کے مؤلفین نے اپنی اپنی کتاب میں اس کیلئے مستقل باب وقف کیا اور روایات جمع کیں۔ لیکن حافظ ابن عبدالبر نے موضوع کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر مستقل کتاب تالیف کی۔ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں : ,, مجھ سے پہلے بھی اس قسم کی کتابیں کئی آدمی لکھ چکے ہیں وہ کافی ہوتیں تو میں یہ کتاب نہ لکھتا اور ان کی طرف اشارہ کر دیتا۔ لیکن وہ کافی نہیں۔ ہر مولف نے وہی جمع کیا ہے جو اس کے ذہن میں محفوظ تھا اور جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ تھا یا جسے اس نے طالب ارشاد کیلئے مناسب سمجھا ،،(۳۱)۔

جناب عبدالرزاق ملیح آبادی جنھوں نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے لکھتے ہیں : عربی ادب میں ,,جامع بیان العلم وفضلہ ،، بڑے پائے کی کتاب مانی جاتی ہے۔ علم اور فضیلت علم پر اس سے بہتر اور جامع کتاب دیکھی نہیں گئی۔ اسلامی نقطہ نظر سے علم، اھل علم اور طالبان علم کے بارے میں آدمی جو کچھ جاننا چاھے اس کتاب میں موجود ملے گا۔

کتاب کی تالیف محدثین کرام کے دل نشین طریقہ پر ہوئی ہے۔ ابواب قائم کئے گئے ہیں۔ اور ہر باب میں روایتیں کچھ اس طرح جمع کر دی گئی ہیں کہ موضوع کے خشک ہونے پر بھی کتاب دلچسپ بن گئی ہے (۳۲)۔

(۵) جامع بیان العلم وفضله وما ینبغی فی روایته وحمله :

حافظ ابن عبدالبر کی یہ کتاب علم اور علماء کی فضیلت نیز علماء کے فرائض کے موضوع پر نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ہے۔ آپ نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، تابعین ، تبع تابعین اور دیگر جلیل القدر علماء کے اقوال جمع کئے ھیں اور بہت خوبصورت انداز میں ترتیب دی ہے آپ سے پہلے اس موضوع پر کئی علماء نے قلم اٹھایا ۔ جوامع کے مؤلفین نے اپنی اپنی کتاب میں اس کیلئے مستقل باب وقف کیا اور روایات جمع کیں ۔ لیکن حافظ ابن عبدالبر نے موضوع کی اھمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر مستقل کتاب تالیف کی ۔ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ھیں : ,, مجھ سے پہلے بھی اس قسم کی کتابیں کئی آدمی لکھ چکے ھیں وہ کافی ہوتیں تو میں یہ کتاب نہ لکھتا اور ان کی طرف اشارہ کر دیتا ۔ لیکن وہ کافی نہیں ۔ ہر مولف نے وھی جمع کیا ہے جو اس کے ذھن میں محفوظ تھا اور جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ تھا یا جسے اس نے طالب ارشاد کیلئے مناسب سمجھا ،،(۳۱) ۔

جناب عبدالرزاق ملیح آبادی جنھوں نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے لکھتے ھیں : عربی ادب میں ,,جامع بیان العلم وفضلہ ،، بڑے پائے کی کتاب مانی جاتی ہے ۔ علم اور فضیلت علم پر اس سے بہتر اور جامع کتاب دیکھی نہیں گئی ۔ اسلامی نقطہ نظر سے علم، اھل علم اور طالبان علم کے بارے میں آدمی جو کچھ جاننا چاھے اس کتاب میں موجود ملے گا ۔

کتاب کی تالیف محدثین کرام کے دل نشین طریقہ پر ہوئی ہے ۔ ابواب قائم کئے گئے ھیں ۔ اور ہر باب میں روایتیں کچھ اس طرح جمع کر دی گئی ھیں کہ موضوع کے خشک ہونے پر بھی کتاب دلچسپ بن گئی ہے (۳۲) ۔

کتاب کے آخر میں امام شافعی کا سفرنامہ مختصراً ذکر کیا گیا ہے جو مفید اور دلچسپ ہے۔ یہ کتاب اسانید کے ساتھ دو جلدوں میں چھپتی رہی ۔ بعد میں اسانید اور مکرر روایات کو حذف کیا گیا ۔ اور ایک جلد میں طبع ہوتی رہی ۔ جناب ملیح آبادی نے جس نسخہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ محذوف الاسانید ہے۔ عربی کا مکمل اور اصل نسخہ جو ہمارے سامنے ہے ، مصر سے چھپا ہے۔

(٦) کتاب الکافی فی فقه اهل المدینة المالکی :

فقہ مالکی پر حافظ ابن عبدالبر کی شاہکار کتاب ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنی مجتہدانہ بصیرت سے بھی کام لیا ہے اور بعض مسائل میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔ کتاب کی تالیف کے بارے میں لکھتے ھیں :

,,ان بعض اخواننا من اهل الطلب والعناية والرغبة فی الزيادة من التعلم سألنی ان اجمع له ، كتابا مختصرا فی الفقه يجمع المسائل التی هی اصول وامهات لمايبنی عليها من الفروع والبينات فی فوائد الاحكام ومعرفة الحلال والحرام، يكون جامعاً، مهذباً ، وكافياً مقرباً ومختصراً مبوباً ليستذكر به عند الاشتغال وما يدرک الانسان من الملال، يكفی عن المؤلفات الطوال ويقوم مقام المذاكرة عند عدم المدارسة، فرأيت ان اجيبه الی ذلک لما رجوت فيه من عون العالم المقتصر ، ونفع الطالب المسترشد التماسا لثواب الله عزوجل فی تقريبه علی من اراده واعتمدت فيه علی علم اهل المدينة وسلكت فيه مسلک مذهب الامام ابی عبدالله مالک بن انس رحمه الله ,,(۳۳) ۔

یعنی مجھ سے میرے ایک ایسے بھائی نے جسے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کا شوق تھا ۔ کہا کہ میں فقہی مسائل پر ایک ایسی کتاب لکھوں جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بنیادی حیثیت کی

حامل ہو اور احکام کو سمجھنے کے سلسلہ میں مفید ہو ۔ جامع اور ترتیب کے لحاظ سے عمدہ ہو تاکہ پڑھنے والا اسے بآسانی اور خوشی خوشی پڑھ سکے اور اسے لمبی اور ضخیم کتب کے مطالعہ کا احتیاج نہ رہے ۔ چنانچہ میں نے اس کے کہنے پر یہ کام شروع کیا ۔ اس کتاب کی تالیف کا اصل مقصد اللہ تعالی کی رضا کا حصول اور طلبہ کو علمی فائدہ پہنچانا ہے ۔ میں نے اس میں علمائے مدینہ کے علم پر اعتماد کیا ہے اور امام مالک کے مسلک کو اختیار کیا ہے ۔

کتاب پہلے نایاب تھی ۔ ڈاکٹر محمد احید الموریتانی نے اس کے اصل نسخہ (مخطوطہ) کے حصول میں بڑی محنت کی ۔ اسے مرتب کیا ۔ اور اس پر تحقیق ، تقدیم اور تعلیق کی ۔ مکتبۃ الریاض الحدیثہ نے بہت خوبصورت شکل میں اسے چھاپ دیا ہے ۔

(۷) **بهجة المجالس وأنس المجالس :**

حافظ ابن عبدالبر اعلی درجہ کے محدث، فقیہہ،و مؤرخ اور مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ادب اور شعر وشاعری میں بھی بلند مقام رکھتے تھے ۔ آپ کی کتاب ,,بهجة المجالس،، ادباء اور شعراء حضرات کے ہاں بڑی مقبول ہے اور قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو ادب سے کتنی دلچسپی اور کلام پر کتنا عبور حاصل تھا ۔ کشف الظنون میں اس کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے :

,,بهجة المجالس وأنس المجالس للحافظ ابن عبدالبر ، وهو فی مجلد من الكتب المعتبرة فی المحاضرات ۔ مرتب علی مائة واربعة وعشرين بابا،، (۳۳) ۔

یعنی بهجة المجالس حافظ ابن عبدالبر کی تالیف ہے اس کا شمار ادب کی معتبر کتابوں میں ہوتا ہے ایک سو چوبیس ابواب پر مشتمل ہے ۔

عام طور سے آپ کی صرف ایک کتاب بهجة المجالس کے نام سے معروف ہے۔ لیکن کشف الظنون میں اس موضوع پر آپ کی دو کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے ، ایک بهجة المجالس وانس المجالس، اور دوسری ,,بهجة المجالس وانس الجالس، آخر الذکر کے بارے میں لکھا گیا ہے : مجلد فی نصف حجم السابق مرتب علی ستین باباً ،، (۳۵)۔

یعنی یہ کتاب ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور حجم کے لحاظ سے اول الذکر کے آدھے کے برابر ہے۔

اس کتاب کو مختلف مکتبوں نے چھاپا ہے۔ بعض نے الگ الگ اور بعض نے ایک ساتھ اور ایک نام کے ساتھ۔ ممکن ہے کہ کشف الظنون کے مرتب کے سامنے اس کے دو الگ الگ نسخے ہوں اور اس نے اس لحاظ سے ان کا تذکرہ کیا ہو۔

حافظ ابن عبدالبر کے بارے میں اس مقالہ کا اختتام ہم اس وصیت کے ساتھ کرتے ہیں ۔ جو انھوں نے ایک موقعہ پر اپنے بیٹے کو کی ، کہتے ہیں :

تجاف عن الدنیا وهوّن لقد رها
ووف سبیل الدین بالعروة الوثقیٰ
وسارع بتقوی الله سرّاً وجهرة
فلا ذمة اقوی هدیت من التقویٰ
ولا تنس شکر الله فی کلّ نعمة
یمّن بها فا الشکر مستجلب النعمیٰ
فدع عنک مالا حظ فیه لعاقل
فان طریق الحق أبلج لایخفیٰ
وشحّ بایام بقین قلائل
وعمر قصیر لا یدوم ولا یبقیٰ

ألم تر ان العمر يمضـى مـوليا

فجدتـه تبلـى ومدتـه تفنـىٰ (۳٦)

تـــرجمه :

دنیا سے دور رہ اور اس کو اهمیت نه دینا ـ اور دین کے راسته کو پوری مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا ـ اللہ تعالی سے هر حال میں ڈر ظاهر میں بھی اور باطن میں بھی ـ

اس لئے که تقویٰ سب سے بڑا سہارا ہے اور اس کے مقابله میں کوئی اور سہارا نہیں ـ

اللہ تعالی کی هر نعمت کا شکر ادا کرنا ـ اس لئے که شکر ادا کرنے سے مزید نعمتیں حاصل هوتی هیں ـ شکر نعمتوں کے حصول کا ذریعه ہے ـ

وہ تمام کام چھوڑ جن کے کرنے سے کرنے والے کو کوئی فائده نہیں ملتا ـ صحیح راسته پر چل ـ حق کا راسته چھپا هوا نہیں بلکه ظاهر اور نمایاں ہے ـ

زندگی کے جو تھوڑے سے دن باقی هیں ـ انہیں بہت احتیاط اور سوچ کے ساتھ گذار ـ اس لئے که یه مختصر سی زندگی نه دائم ہے اور نه باقی ہے ـ یعنی ختم هونے والی ہے ـ

دیکھئے عمر کس طرح مسلسل گذر رهی ہے ـ اس کی جدت بوسیده هو رهی ہے اور اس کی مدّت فنا هو رهی ہے ـ

حـــوالــه جات

۱ ـ ابن خلکان ، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابوبکر ـــ وفیات الاعیان ج ۷، ص ٦٦ـ منشورات الشریف الرضی ـ قم ـ

۲ ـ ایضـــاً ـ

۳ ـ ایضـــاً ـ

۴ ـ ذهبی ، ابو عبدالله شمس الدین محمد ـ تذکره الحفاظ ترجمه : حافظ محمد اسحاق ـ ج ۳ ، ص ۵۴۷ ، اسلامک پبلشنگ هاؤس ، لاهور ـ

۵ ـ مصطفی العلوی ، محمد عبدالکبیر البکری ـ مقدمة التحقیق علی التمهید ـ ج ۱ ، ص ۱۴ ، المکتبة القدوسیه اردو بازار ، لاهور ـ

۶ ـ محمد احید ولد ماديک الموريتانی ـ مقدمة التحقيق على الكافی فی فقه اهل المدينة المالكی ، ج ۱ ، ص ۱۳۱ ـ مکتبة الرياض الحديثه ـ الرياض ـ

۷ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۳ ، ص ۵۴۷ ـ

۸ ـ ایضـــاً ـ

۹ ـ مقدمة التحقیق علی التمهید ج ۱ ، ص ۱۶ ـ

۱۰ ـ وفیات الاعیان ج ۷ ، ص ۱۷ ـ

۱۱ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۳ ، ص ۵۴۷ ـ

۱۲ ـ ایضـــاً ـ

۱۳ ـ ایضـــاً ـ

۱۴ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۳ ، ص ۷۳۵ ـ

۱۵ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۳ ، ص ۸۸۷ ، ۸۹ ـ

۱۶ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۴ ، ص ۸۱۷ ـ ۱۸ ـ

۱۷ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۴ ، ص ۸۲۷ ، ۲۸ ـ

۱۸ ـ اسماعیل باشا البغدادی ، کشف الظنون ، ج ۶ ، ص ۵۵۰ ، دار الفکر ، بیروت ، لبنان ـ

۱۹ ـ تذکرة الحفاظ ج ۳ ، ص ۵۴۷ ـ

۲۰ ـ وفیات الاعیان ج ۷ ، ص ۶۸ ـ

۲۱ ـ محمد محمد ابوزهو ـ الحدیث والمحدثون ، ص ۲۵۰ ، مطبعة مصر شرکة مساهمة مصرية ، ۱۳۷۸ هـ ـ ۱۹۵۸ء ـ

۲۲ ـ ایضـــاً ـ

۲۳ ـ حاجی خلیفه مصطفی بن عبدالله الروعی الحنفی ـ کشف الظنون ج ۲ ، ص ۱۹۰۷ ـ ۱۴۰۲ هـ ـ ۱۹۸۲ م ـ دار الفکر ، بیروت ، لبنان ـ

۲۴ ـ الحدیث والمحدثون ، ص ۲۵۱ ـ

۲۵ ـ وفیات الاعیان ، ج ۷ ، ص ۶۹ ـ

۲۶ ـ کشف الظنون ج ۲ ، ص ۱۹۰۷ ـ

۲۷ ـ تذکرة الحفاظ ، ج ۳ ، ص ۵۴۷ ـ

۲۸ ـ ابن حجر ، ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی ـ الاصابة فی تمییز الصحابة ـ ج ۱ ، ص ۳ ـ مطبعة السعادة ، مصـر ـ

۲۹ ـ کشف الظنون ج ۳ ، ص ۷۳ ـ

۳۰ ـ وفیات الاعیان ج ۷ ، ص ۷۰ ـ

۳۱ ـ ابن عبدالبر ، ابو عمر یوسف بن عبدالله القرطبی ـ جامع بیان العلم و فضله ـ ترجمه : عبدالرزاق ملیح آبادی ، ص ۴۲ ـ ، اداره اسلامیات انار کلی ، لاهور ـ

٣٢ ـ جامع بيان العلم وفضله ، ص ٧ ـ

٣٣ ـ ابن عبدالبر ، يوسف بن عبدالله القرطبى ـ الكافى فى فقه اهل المدينة المالكى ، ج ١ ، ص ١٣٧ ، مكتبة الرياض الحديثه ، الرياض ـ

٣٤ ـ كشف الظنون ج ١ ، ص ٢٠٨ ـ

٣٥ ـ مقدمة التحقيق على التمهيد ج ١ ، ص ١٦ ـ

٣٦ ـ ايضـــاً ـ

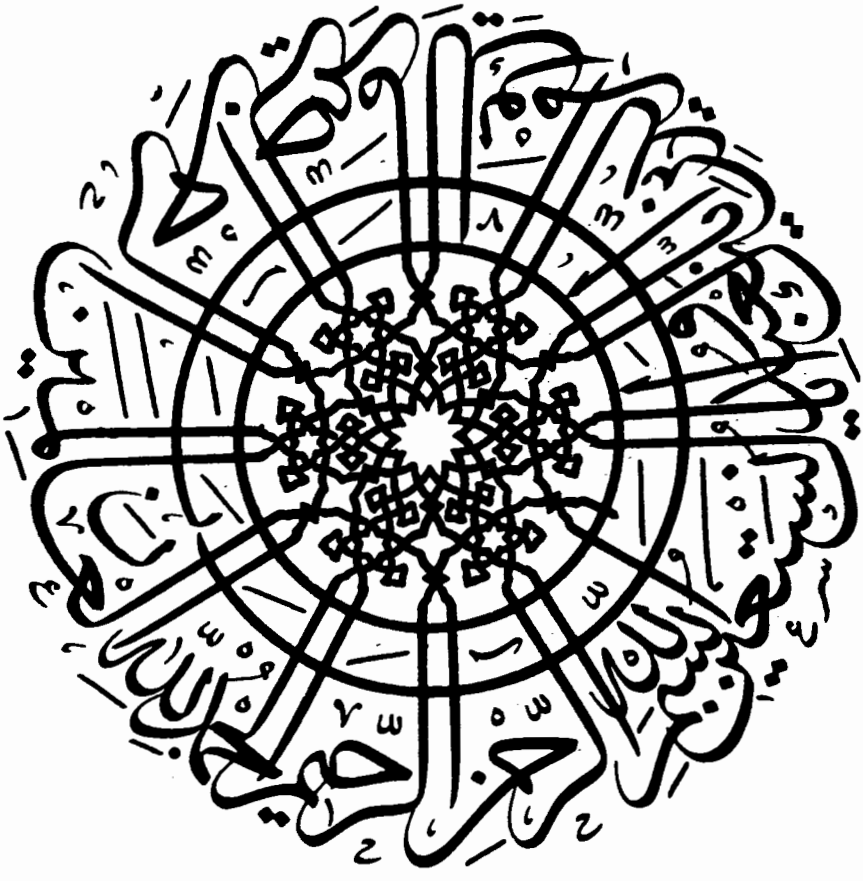

نموذج من كتابة بخـط ثلثي على هيئـة مستديرة تتوسطها زخرفـة نجمية هندسـية نصها : « بسملة وسورة الفاتحة » ، كتبها الخطاط حامد الآمدي .

ابن رشد : اندلس کا بزرگترین فلسفی

ڈاکٹر سیّد علی رضا نقوی

اسپین میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان تاریخ عالم کا ایک نہایت عبرتناک اور انوکھا باب ہے۔ جہاں اس کے سیاسی ، معاشرتی ، اقتصادی اور دیگر اسباب و علل پر کماحقہ تحقیق نہیں کی گئی ، وہاں اس زمانے میں مسلمانوں کے تہذیبی ، اخلاقی ، ادبی اور دینی کارناموں کو بھی صحیح طور پر اجاگر نہیں کیا گیا ۔ اس کا سبب کچھ تو اس علاقے کی مرکز اسلام سے دوری ہے اور بڑی حد تک خود مسلمانوں میں تحقیق و تفحص کا فقدان اور تاریخی و تہذیبی مطالعہ اور تجزیہ کی لگن کی کمی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں دینی اور نسلی تعصبات کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔ یہی اسباب صدیوں تک اس علاقہ کے ادبی ، اخلاقی ، دینی اور علمی کاموں کے صحیح مقام کے تعین میں تساہل اور عدم توجہ کے ذمہ دار رہے ہیں۔

مسلم اسپین یا اندلس نے بعض مایہ ناز ہستیاں پیدا کیں ، جن کے نام ان کے علمی ، ادبی اور دینی سرمایہ کے سبب ہمیشہ انسانی تہذیب کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے ۔ ان میں آسمان علم و ادب کے بعض نہایت درخشاں ستارے ہیں جن کو علمی اور ادبی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی ، جن میں سرفہرست شاطبی ، قرطبی،شیخ اکبر ابن عربی، ابن حزم، ابن جبیر ، ابن زہر، ابن بیطار، ابن ماجہ، ابن طفیل اور ابن رشد ہیں جن کے اسمائے

گرامی اور ان کی گرانقدر خدمات جریدۂ عالم پر ہمیشہ ثبت رہیں گی ۔ ان میں شاید سب سے زیادہ مظلوم اور ہم مسلمانوں کی بے توجہی اور بے اعتنائی کا شکار ابن رشد ہے جس کو اپنی انقلابی ، بیباک اور جرأت مندانہ افکار کےسبب غیرمسلموں خصوصاً یہودیوں اور عیسائیوں میں غیر معمولی مقبولیت نصیب ہوئی ، اور انہوں نے اس کے افکار سے خوب خوب فائدہ اٹھایا، جبکہ ہم نے اس کے خیالات کو ,,ملحدانہ،، ,,کافرانہ،، اور ,,غیر اسلامی،، اور اس کی اکثر تصانیف کو ,,شجر ممنوعہ،، قراز دے کر طاق نسیاں کے سپرد کر دیا اور صرف معدودے چند کتابوں کے علاوہ اس کی بیشتر تصنیفات کو قابل اشاعت بھی نہیں گردانا ۔ چنانچہ اس کے اکثر افکار سے اسلامی دنیا کی ناواقفیت اور بیشتر تخلیقات و تصنیفات کی نایابی، ہماری اس مسلسل غفلت اور بےاعتنائی کا نتیجہ ہے ۔ شاید اس غفلت کا سب سے بڑا سبب چھٹی صدی ہجری کے بعد سے ہمارے علماء کی فلسفہ اور دیگر علوم عقلی سے زبردست دشمنی اور علم کلام سے غیر معمولی شغف ، اور اس کے زیر اثر مناظرانہ اور فرقہ وارانہ موشگافیاں اور بے سود بلکہ نہایت مضر، معاندانہ اور افتراق آمیز مباحث ہیں ، جن میں چند صدیوں سے ہماری تمام تر علمی صلاحیتوں کا ضیاع ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہو رہا ہے ۔ اگر فلسفہ اور علوم طبعی و عقلی کی اسلامی دنیا میں اس قدر شدت سے مخالفت نہ ہوئی ہوتی تو جو علمی تجسس کی تحریک اسلامی دنیا کے اس علاقہ کے مختلف حصوں میں قرآنی تعلیمات کے زیر اثر جاری تھی وہ ضرور ان علاقوں میں سائنس اور علوم طبعی کے روزافزوں ترقی کا باعث ہوتی اور نئی نئی ایجادات کے نتیجے میں صنعتی انقلاب مغربی دنیا کے صدیوں سے پسماندہ اور کفر و شرک کے ظلمت کدوں میں

نہیں، بلکہ مغربی دنیا کے صنعتی انقلاب سے بہت پہلے مشرقی دنیا کے علمی تجسس اور قرآنی تعلیمات کے نور سے روشن علم و حکمت کے مراکز میں رونما ہوتا ۔

امام غزالی کے بعد ان کی اور ان کے پیروؤں اور حامیوں کے افکار کے زیراثر جب مشرقی اسلامی دنیا میں متکلمین اور علوم نقلی کے ماہرین اور ان کے طرفدار فلسفہ اور علوم عقلی کا قلع قمع کرنے اور تقریباً ہمیشہ کیلئے ان ,,کافرانہ،، علوم پر ان علاقوں میں غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں اسپین میں کچھ عرصہ کے لئے علمی تحریک نے دوبارہ سر اٹھایا ۔ ابن ماجہ (متوفی ۵۳۳ ھ/۱۱۳۹ء) کو جو علم منطق، طب، ریاضیات اور فلکیات کا نامور عالم تھا اور جس نے ابن سینا کے بعد ,,علم نفس،، پر سب سے معروف تحقیقی رسالہ لکھا ہے ، اس تحریک کا بانی کہا جا سکتا ہے ۔ اس کے بعد ابن طفیل (متوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء) اور ابن رشد کو اس تحریک کے فعال ترین اراکین میں شمار کیا جاتا ہے ۔ البتہ مشرقی اسلامی دنیا کی طرح مغربی دنیا میں بھی متعصب اہل مذہب جلد ہی اس تحریک کا سر کچلنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ چنگاری تقریباً ہمیشہ کے لئے وہاں بھی فکری تحجر اور جمود کے خاکستر میں دفن ہو گئی ۔ اسپین میں فلسفہ اور علوم عقلی کی یہ چند روزہ حکمرانی ابن رشد اور اس کے چند شاگردوں کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئی اور پھر مغربی اسلامی دنیا پر بھی فکری جمود اور علوم نقلی کا دور دورہ ہو گیا ۔ اسپین کی اس علم و حکمت کی عارضی تحریک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے :

,,خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود ،،

تقریباً سو سالہ اس دور میں مسلمان فلسفیوں نے مشرقی مسلمان فلاسفہ ابن سینا اور فارابی کی طرح فلسفہ یونان، خاص طور پر ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ پر خاص توجہ مبذول کی اور اس میں بالکل منہمک ہو گئے ۔ اس کو اپنی زبان میں منتقل کیا اور عربی میں اس کی شرح و تفسیر کی ۔ اس پر تعلیقات کا اضافہ کیا اور اس کے مبہم اور پیچیدہ مسائل کی توضیح کی (۱) ۔ انھوں نے مذہب اور فلسفہ میں تطبیق کی آخری بار کوشش کی ۔ ان میں ابن باجّہ اور ابن رشد کے نام سرفہرست ہیں ۔

قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن محمد ابن رشد جو مغربی دنیا میں (Averroes)(۲) کے نام سے مشہور ہے ، قرطبہ میں ۵۲۰ ھ/ ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا (۳) ۔ اس کو بجا طور پر اسپین بلکہ عرب دنیا کا سب سے بڑا فلسفی اور حریت فکر کا بانی کہا جاتا ہے (۴) ۔ اس کا تعلق اندلس کے ایک عظیم الشان خاندان سے تھا (۵) ۔ اس کے آباءو اجداد مالکی مذہب کے ائمہ سے ہیں (۶) ۔ اس کا دادا ابوالولید محمد (جو اس کا ہم نام تھا) ابن رشد کی طرح قرطبہ کا قاضی تھا (۷) ، اور کچھ دنوں اشبیلیہ کا بھی قاضی رہا (۸) ، اور مالکی فقہاء میں بڑے رتبہ اور احترام کا مالک تھا (۹) ۔ پیرس کے شاہی کتب خانہ (۱۰) میں اس کے فتوؤں کا ایک گرانقدر ذخیرہ تحت عدد ۳۹۸ ملحقات عربیہ (۱۱) موجود ہے ، جس سے فلسفہ اور مذہب کے تعلق کی جھلک نظر آتی ہے (۱۲) ۔ جس کے بعض صفحوں پر ابن رشد کے خیالات کے بعض مآخذ نظر آتے ہیں (۱۳) ۔

ابن رشد کا والد ابوالقاسم احمد بھی قضاءت قرطبہ پر مامور تھا(۱۴)، اور بقول لطفی جمعہ کچھ دنوں اشبیلیہ کا قاضی بھی رہا ۔ ابن رشد کی ابتدائی تعلیم میں اس کو بہت کچھ دخل ہے (۱۵) ۔ اپنے

باپ دادا کی طرح ابن رشد نے بھی ابتداء میں اشعری اور مالکی فقہاء کی کتابیں پڑھیں (۱۶) ۔ بلکہ ابن الابار جیسے اس کے مسلمان سوانح نگار طب اور فلسفہ کے مقابلہ میں جن سے اس کو اصل شہرت حاصل ہوئی ، اس کے علوم فقہی میں تبّحر اور کارہائے نمایاں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں (۱۷) ۔

اس نے علوم حدیث اپنے والد ، ابوالقاسم بن بشکوال (جو یہودی سے مسلمان ہوا تھا) ابو مروان بن مسیرہ ، ابوبکر بن سمحون اور ابو جعفر بن عبدالعزیز سے سیکھے، اور ابو جعفر بن عبدالعزیز اور عبداللہ مازری سے اجازت حاصل کی ۔ علم طب ابو مروان بن جریول البلنسی اور ابو جعفر بن درون الترجالی (۱۸) سے جو اشبیلیہ کا باشندہ اور وہاں کے اعیان میں تھا ، حاصل کیا ۔ الترجالی ارسطو اور دیگر حکمائے متقدمین کی تصنیفات کا بڑا ماہر تھا اور علوم نظری کے علاوہ معالجہ میں بھی اسے کمال حاصل تھا اور یوسف بن عبدالعزیز سلطان وقت کا درباری طبیب تھا (۱۹) ۔ ابن سعید کا یہ قول کہ ابن رشد ابن باجہ کا بھی شاگرد رہا تھا ، قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ابن باجہ کا انتقال صرف ۲۳ (تیئیس) سال کی عمر میں ۵۳۲ھ/ ۱۱۴۸ء میں ہو گیا تھا (۲۰) جس وقت ابن رشد کی عمر صرف ۱۲ سال تھی ۔ ابن باجہ فلسفی اور ارسطو کے شارح کی حیثیت سے ابن سینا اور فارابی کے بعد مغرب میں علوم عقلی کا سب سے بڑا ماہر مانا جاتا ہے، چنانچہ ابن رشد نہ صرف اس کی عظمت کا معترف ہے بلکہ اکثر جگہ اس کی فلسفیانہ آراء سے اتفاق بھی کرتا ہے (۲۱) ، اور اگرچہ اکثر جگہ ابن سینا اور فارابی کے اقوال پر تنقید کرتا ہے لیکن ابن باجہ کا نام ہر جگہ نہایت احترام سے لیتا ہے اور اکثر اس کے اقوال کی تائید کرتا ہے ۔

ابن طفیل کی صحبت کا بھی ابن رشد پر گہرا اثر رہا اور ابن زہر کے عظیم علمی یہودی الاصل مسلمان خاندان سے بھی اس کے گہرے مراسم تھے، جس کو بارھویں صدی ہجری میں اندلس میں علوم کی اشاعت کا ایک بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے (۲۲) ۔ ابو مروان بن زہر مصنف تیسیر (متوفی ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء) سے اس کے اتنے قریبی قلبی تعلقات تھے کہ جب ابن رشد نے ,,کلیات،، تصنیف کی تو یہ خواہش ظاہر کی کہ ابومروان بھی ایک رسالہ ,,جزئیات،، پر لکھے، تاکہ یہ دونوں کتابیں مل کر طب کیلئے ایک کامل نصاب بن جائیں(۲۳) ابو بکر بن زہر (اصغر) (متوفی ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) ابن رشد کے ساتھ عبدالمومن موحدین کے پہلے بادشاہ (۵۴۲ھ ۔ ۵۵۱ھ ۱۱۴۷ ۔ ۱۱۶۱ء) کے دربار کا طبیب تھا اور اس خاندان میں چار پشتوں تک اس منصب پر سرفراز رہا (۲۴) ۔ ایک روایت کی رو سے شیخ اکبر محیی الدین ابن عربی سے بھی ابن رشد کے بڑے گہرے تعلقات تھے، لیکن انھوں نے ابن رشد کی قرطبہ کی قضاءت کے زمانہ میں اس کی درخواست پر اسے علم تصوف کے اسرار و رموز بتانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں اجازت نہیں ہے (۲۵) ۔

ابن رشد نے جب آنکھ کھولی تو مرابطین کے آخری ایام تھے ۔ اسی زمانے میں ابن تومرت (متوفی ۵۲۴ھ/۱۱۲۹ء) نے آخری سلاطین مرابطین کی آزادہ روی کے پیش نظر ان پر ,,فاسق و فاجر،، ہونے کا الزام لگایا ، اور ان کے خلاف بغاوت کر دی ۔ اگرچہ ابتدا میں اسے اس کام میں کامیابی نہیں ہوئی، لیکن اس کے مرید عبدالمومن نے ملک کے بعض حصوں کو اپنے قبضہ میں لا کر ، آخرکار ۵۴۲ ھ میں مراکش پر بھی قبضہ کر لیا اور پوری مرابط حکومت کا مالک بن بیٹھا ۔ اس نے موحدّی خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈالی

جو ۵۶۲ھ/ ۱۲۶۸ء تک قائم رہی (۲۶) ۔ عبدالمومن خود ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء تک حاکم رہا ۔

موحدین کا دور حکومت تعصب اور مذہبی تشدد کا دور تھا ۔ اس زمانے میں بڑی تعداد میں یہودی ملک چھوڑ کر افریقہ اور دوسرے حصوں میں چلے گئے اور اکثر عیسائی بھی ملک چھوڑ کر بھاگ گئے اور دشمن فوج سے جا ملے ۔ لیکن فلسفہ کی ترقی کے لحاظ سے یہ زمانہ اندلس کی تاریخ میں ,,عہد زرّین،، کہلاتا ہے (۲۷) ۔ اس وجہ سے کہ اس دور میں اسپین کے بہترین اور بزرگترین فلاسفہ اور شارحین ارسطو جیسے ابن طفیل، ابن زہر اور ابن رشد پیدا ہوئے ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی ابتداء ہی میں خاموشی سے یہ طے ہو گیا تھا کہ فلسفی اپنے کام اور تعلیم میں بالکل آزاد ہوں، بشرطیکہ ان کی تعلیم عوام میں نہ پھیلے ۔ اس کو ایک قسم کی حقیقت مخفی سمجھ لیا گیا تھا جو صرف علماء سے مخصوص تھی ۔ یہ بھی تقریباً یقینی معلوم ہوتا ہے کہ یہ روش عملاً خود فلاسفہ نے (بشمول ابن رشد) اختیار کی تھی ۔ اس کو بعض ایشیائی فلاسفہ پہلے ہی بیان کر چکے تھے اور اشعری اور غزالی نے تو قطعی طور پر اس کو اصول ہی بنا لیا تھا (۲۸) ۔

اس زمانے میں ایک طرف فلاسفہ ارسطو کی شدت سے حمایت کر رہے تھے اور دوسری طرف فرماں روا اپنی رعایا پر سخت ترین راسخ العقیدگی کے نہایت رجعت پسند فقہی نظام کو عائد کر رہے تھے جس کو حتی ایشیا کے رجعت پسند ترین حکام نے بھی تسلیم اور عائد نہیں کیا تھا (۲۹) ۔

ابن رشد نے اٹھارہ سال کی عمر میں مراکش کا رخ کیا (۳۰) اور وہاں عبدالمومن کے دربار کا قصد کیا ۔ عبدالمومن اور اس کے

جانشین یوسف کے ذریعے علم و حکمت کے سبب ان کا دربار اطراف و اکنات کے علماء کا مرکز بن گیا تھا، جن میں ابن رشد کا دوست اور مربی ابن طفیل بھی تھا ، جس کے ذریعے ابن رشد کو شاہی دربار میں رسائی ملی (۳۱) ۔ یوسف (۵۵۶ ۔ ۵۸۰ھ/۱۱۶۱ ۔ ۱۱۸۴ء) بڑا فاضل اور علم دوست حاکم تھا ۔ فلسفہ اور عقلیات سے اسے دلچسپی تھی ۔ اس وجہ سے اس نے ابن طفیل کو اپنا ندیم خاص اور صیغہ علمی کا افسر مقرر کیا (۳۲) ۔ اسی یوسف کی خواہش پر ابن طفیل کے اشارے سے ابن رشد نے ارسطو کی تصنیفات کی شرحیں لکھنا شروع کیں(۳۳) ابن طفیل نے وصیت کی کہ اس کی وفات کے بعد ابن رشد کو اس کی جگہ طبیب خاص مقرر کیا جائے ، چنانچہ ابن طفیل کی موت پر یوسف نے اسے طبیب مقرر کیا (۳۴)، اور (۵۶۳ھ/۱۱۶۸ء) میں اس کے باپ کی موت پر قرطبہ میں قضاءت کا عہدہ خالی ہونے پر ابن رشد کو اس کی جگہ قاضی کے عہدہ پر فائز کیا (۳۵) ۔ (اس سے قبل) ، ۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء میں وہ اشبیلیہ کا قاضی رہا جہاں اس نے کتاب الحیوان، ارسطو کے حصہ چہارم کی شرح اسی سال لکھی ، جس کے خاتمہ میں یہ عذر پیش کرتا ہے کہ وہ قرطبہ کے اپنے مکان سے جہاں اس کی سب کتابیں ہیں دور پڑا ہے ۔ لہذا ممکن ہے اس سے سہو ہو گیا ہو جسے قارئین نظر اغماض سے دیکھیں ۔

بعد میں ۵۶۷ھ/ ۱۱۷۱ء میں وہ دوبارہ اپنے وطن قرطبہ واپس ہوا جہاں اس نے ارسطو کی عظیم الشان شرح کی بنیاد ڈالی ۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں اسے کبھی جبل الطارق اور کبھی مراکش، اشبیلیہ اور قرطبہ اور مختلف مقامات پر جانا پڑتا اور ان تمام ایام میں وہ اپنی شرح کی تکمیل میں مصروف رہا ۔

۱۱۷۸ء میں مراکش میں اس نے ,,جوہر الکون،، کا ایک حصہ لکھا ۔ ۱۱۷۹ء میں اشبیلیہ میں اپنے مذہب پر رسائل کو ختم کیا (۳۶)

۱۱۸۹ ء میں یوسف نے اسے پھر مراکش طلب کیا (۳۷) اور ابن طفیل کی جگہ طبیب اول مقرر کیا (۳۸) اور اس کے بعد قرطبہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ عطا کیا ، جس پر اس کے باپ دادا مامور رہ چکے تھے (۳۹) ۔

اس کے بعد جب یعقوب المنصور باللہ (۵۸۰ ۔ ۵۹۵ھ/۱۱۸۴ ۔ ۱۱۹۹ء) اپنے باپ کا جانشین ہوا تو ابن رشد کے مرتبہ میں اور اضافہ ہو گیا اور اس نے اس کو اپنا مقرب بنا لیا ۔ ان دونوں میں اس درجہ بے تکلفی تھی کہ ابن رشد اثنائے کلام میں منصور کو ,,اسمع یا اخی،، (اے بھائی سن) کے الفاظ سے مخاطب کرتا تھا (۴۰) ۔ شاید اسی بے تکلفی کے سبب ناراض ہو کر، یا مراعات خسروانہ کے سبب ابن رشد کے دشمنوں میں آتش حسد بھڑکنے اور بادشاہ کے حضور ان کی سعایت اور بدگوئی کے نتیجہ میں ابن رشد کو منصور نے قصبہ الیسانہ (Elesana) جو اس کے وطن قرطبہ کے نزدیک لوسینہ (Lucena) صوبہ میں واقع ہے ، شہر بدر کر دیا (۴۱) ۔

یاد رہے ابن رشد کے خاص دشمن قاضی ابو عامر یحیی بن ابی الحسین بن ربیع، اور اس کے بیٹے قاضی ابوالقاسم اور ابوالحسن اور قاضی ابوعبداللہ، اور خطیب ابوعلی بن حجاج وغیرہ کو اس سے خاص عداوت تھی ۔ ابن رشد پر دشمنوں کے حملہ کے وقت ان لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور اس کو اور اس کے مریدوں ، رفقاء اور شاگردوں کو ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تاکہ حکماء کو شدید ترین تکلیف پہنچائی جا سکے ۔ چنانچہ ایک مجلس عام منعقد کی گئی ، اور اس میں خطیب ابوعلی بن حجاج نے اعلان کیا کہ ابن رشد ملحد اور بے دین ہو گیا ہے اور منصور نے اس پر لعنت بھیجی اور اس کو جلاوطن کرنے کا حکم جاری کیا ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کے

اخراج کا بھی فرمان جاری کیا جو ان علوم میں بحث کرتے تھے اور مختلف شہروں میں مراسلے روانہ کئے ۔ اس ہدایت کے ساتھ کہ ان علوم (یعنی فلسفہ و علوم عقلی) کو ایک دم ترک کر دیں اور فلسفہ کی تمام کتابیں جلا دیں، سوائے ان کے جو طب، حساب اور علم نجوم کے اس حصہ سے متعلق ہوں جن سے شب و روز کے اوقات اور سمت قبلہ کی دریافت ہوتی ہے (۴۲) ۔

متعدد بڑے بڑے لوگ مثلاً علماء، اطباء ، فقہاء ، قضاۃ اور شعراء بھی اس بلا میں گرفتار ہوئے (۴۳) ۔

ابن جبیر نے اس موقع پر ابن رشد اور اس کے ساتھیوں کی مذمت اور منصور کی مدح میں اشعار کہے ہیں جن کا متن بعض کتابوں میں آیا ہے (۴۴) ۔

بعد میں اشبیلیہ کی ایک معتبر جماعت نے منصور کو یقین دلایا کہ ابن رشد پر عائد کردہ الزامات بے بنیاد ہیں، چنانچہ اس نے مراکش سے واپسی پر تمام احکام جو فلسفہ کے خلاف جاری کئے تھے منسوخ کر دیئے (۴۵) ۔ اور ابن رشد اور دوسرے علماء کو جو اس کے ساتھ جلاوطنی کی مصیبت میں مبتلا ہوئے تھے واپس بلا لیا ، منجملہ ان کے ابو جعفر ذہبی کو طلبہ اور اطباء کا نقیب مقرر کیا (۴۶) ۔

ابن رشد اس معافی کے بعد ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہا، اور اس نے جمعرات ۹ صفر ۵۹۵ ھ (۴۷) (مطابق ۱۰ دسمبر ۱۱۹۸ء) ، یعقوب کے انتقال سے تقریباً ایک مہینہ قبل مراکش میں وفات پائی (۴۸) ۔ اسے اوّل مراکش کے قبرستان میں بیرون دروازہ تاغزوت میں دفن کیا گیا ۔ پھر اس کی لاش کو قرطبہ لے گئے جہاں ابن عباس کے قبرستان میں اس کے خاندانی گنبد میں اسے دفن کیا گیا (۴۹) ۔

اندلس میں حکمت کا خاتمہ :

عجیب اتفاق ہے کہ ابن بیطار ، عبدالملک ابن زہر اور ابن رشد ان تینوں کی وفات ایک ھی سال میں ھوئی ۔ ابن باجہ ابن طفیل اور ابومروان بن زہر پہلے ھی وفات پاچکے تھے ۔ ان کی وفات سے ارض اندلس (بلکہ اسلامی دنیا) فلسفہ و حکمت سے خالی ھو گئی ۔ آسمان علم و حکمت کے یہ روشن ستارے چھٹی صدی ھجری (بارھویں صدی عیسوی) کی ابتداء میں چمکے تھے اور اس کے اختتام پر غروب ھو گئے ۔ گلستان فلسفہ و حکمت کے یہ پھول اگرچہ موت کے بے رحم ھاتھوں ابدی نیند سلا دیئے گئے لیکن ان کی عطر آگیں افکار اور باقیماندہ آثار عالم انسانیت کے مشام جاں کو رھتی دنیا تک معطر کرتے رھیں گے ۔ ان کی حکمت کا وہ مقدس سرمایہ جو انھوں نے تمام انسانوں کے لئے چھوڑا ہے اسی پر جدید حکمت و فلسفہ کی عمارت قائم کی گئی ہے جس کا بنیادی اصول پوری انسانی برادری سے محبت اور عالمگیر روا داری ہے (۵۰) ۔ اصل میں یہی تمام ادیان عالم کا مشترک پیغام اور یہی ان کی روح ہے ۔

ابن رشد کا اخلاق :

ابن رشد کا جو کئی سال قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ میں قضاء کے عہدہ پر فائز رھا، قاضی کی حیثیت سے اس کا کارنامہ نہایت قابل تعریف رھا ۔ بادشاھوں کی نظر میں اس کی خاص عزت اور وجاھت تھی ۔ شاھی عنایات خاصہ کو اس نے اپنی شان کے اضافہ اور دولت کے جمع کرنے میں صرف نہیں کیا، بلکہ اھل اسپین کے منافع اور ان کی رفاہ عام کے لئے مخصوص کر دیا ۔ اس نے قضاءت کرتے وقت درایت کو روایت پر ترجیح دی ۔ اندلس میں اس لحاظ سے علم و فضل و کمال کے میدان میں وہ اپنی مثال آپ ہے (۵۱) ۔

وہ نہایت متواضع اور خوش اخلاق تھا ۔ وہ بچپن سے کبر سنی تک ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف رہا ۔ اس نے اپنی عمر میں دو راتوں کے علاوہ کبھی مطالعہ ترک نہیں کیا ۔ ایک اس کی والد کی وفات کی شب اور دوسری اس کی شادی کی رات ۔وہ قدما کے علوم کا شیدائی تھا اور اس میدان میں وہ اپنے تمام ہم عصروں پر گوئے سبقت لے گیا تھا ۔ وہ ایک ماہر طبیب بھی تھا لیکن لوگ اس کے پاس طبی نسخوں کیلئے اسی طرح بھاگتے چلے آتے تھے جیسے کہ فقہی فتوؤں کے لئے ۔ فنون شعر و ادب سے بھی اس کو خاص شغف تھا چنانچہ حبیب اور متنبی کے اشعار اسے کثرت سے یاد تھے (۵۲) ۔ ابن الابار کہتا ہے کہ ابن رشد کو ان دونوں شعراء کے دیوان حفظ تھے۔ ارسطو کے رسالہ ,,شاعری،، کی شرح میں عنترہ ، امراء القیس اعشی، ابو تمام ، نابغہ ، متنبی اور کتاب الاغانی کے اشعار ہر صفحہ پر نظر آتے ہیں (۵۳) ۔

ابو مروان الباجی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ قاضی ابوالولید بن رشد صائب الرائے ، ذکی الطبع ، لاغر اندام اور قوی النفس تھا ، اس نے علم کلام ، فلسفہ اور قدماء کے علوم کی طرف اس درجہ توجہ کی کہ ان علوم میں ضرب المثل ہو گیا ۔ اس کا ایک مشہور قول ہے کہ ,,جس نے علم تشریح کی جانب توجہ کی خدائے تعالی پر اس کا ایمان قوی ہو گیا،، (۵۴) ۔

ابن رشد کی تالیفات :

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ ابن رشد نے ۳۶ سال عمر تک کوئی کتاب نہیں لکھی گویا جب تک اس کی فکر پختہ نہیں ہوگئی اس نے قلم نہیں اٹھایا ۔ اس نے اپنی عمر کے باقی چھتیس سال درس و تدریس ، مباحثہ اور تالیف میں صرف کئے (۵۵) ۔

رینان نے اپنی کتاب ,,ابن رشد وفلسفہ ابن رشد،، میں کتب خانہ اسکوریال کی ایک عربی فہرست میں ابن رشد کے اٹھتر (۷۸) رسائل اور فلسفہ ، طب، فقہ اور علم کلام پر مختلف کتابوں کی فہرست کا ذکر کیا ہے (۵۶) ۔ جن میں سے ابن ابی اصیبعہ نے پچاس کی تصریح کی ہے (۵۷) ، اور ابن ابار نے صرف چار کا ذکر کیا ہے ۔ شاید اس نے صرف مشہور کتابوں ہی پر اکتفا کیا ہے (۵۸) ، لیکن ساتھ ہی اس نے لکھا ہے کہ اس شارح اعظم نے اپنی کتابوں کی تصنیف میں دس ہزار ورق کاغذ سے کم صرف نہیں کئے (۵۹) ۔

اگرچہ علمائے اسلام میں فن طب میں جالینوس ، فلسفہ میں ارسطو اور علم ہیئت میں المجسطی سے سب ہی واقف تھے اور ابن رشد بھی ان کا ماہر تھا، لیکن ابن رشد کی امتیازی خصوصیت اس کی قوت تنقید ہے جو دوسرے مسلمان علماء میں بہت کم نظر آتی ہے۔ وہ فقہ میں بھی کامل مہارت رکھتا تھا (اور پوری موطا امام مالک اسے حفظ تھی)(۶۰) ۔

ابن رشد کو مسلمانوں میں بہت کم شہرت حاصل ہوئی ۔ اس کی وفات کے بعد ہی فلسفہ و حکمت کی تعلیم کے انحطاط کے ساتھ ان علوم کی کتابیں ناپید ہو گئیں ۔ ابن رشد کی عربی کتابیں عموماً صرف اندلس تک ہی محدود رہیں اور دوسرے ممالک میں مشکل ہی سے گئیں ۔ اہل عرب کی شکست اور عیسائی فتوحات کے بعد فرڈیننڈ (Ferdinand) بادشاہ کی مدد سے کارڈینل زمی نیز (Cardinal Xemenes) نے عربی مخطوطات کو نذر آتش کر دیا ۔ صرف غرناطہ میں شارع عام پر جو کتابیں جلائی گئیں ان کی تعداد اسی ہزار بتائی جاتی ہے۔ یہ نار عظمیٰ دولت موحدین کے زوال کے بعد عمل میں آئی اور اس میں منجملہ عربی کتابوں کے ابن رشد کی تصنیفات کے عربی متون

بھی تلف ہو گئے ۔ اسی وجہ سے ان کے اصلی عربی متون بالکل نادر الوجود ہو گئے (٦١) ۔ ہمارے پاس جو نسخے اس کی کتابوں کے موجود ہیں وہ مغربی خط میں لکھے ہوئے ہیں جو ظاہراً اصل کتابوں سے استنساخ کی گئیں اور اس افسوسناک حادثہ سے قبل افریقہ اور مراکش بھیج دی گئیں (٦٢) ۔ انیسویں صدی عیسوی کے وسط (۱۸۵۹ء) (٦٣) تک (یعنی ابن رشد کی وفات کے ساڑھے چھ سو سال تک) اس کی کوئی عربی کتاب شائع نہیں ہوئی جس سال موسیو جے ۔ مولر (M. J. Müller) نے اکادمی آف سائنسز میونخ سے تین مقالے الربط بین المذهب والفلسفه کے طبع کرائے ۔ اس کی کتابوں کے لاطینی ترجمے اٹلی اور فرانس کے مختلف شہروں سے پندرھویں صدی عیسوی میں بکثرت شائع ہوتے رہے ۔ سولھویں صدی عیسوی (٦٤) کے اختتام پر یہ کام کمزور پڑ گیا اور سترھویں صدی عیسوی میں یہ کام بالکل ختم ہو گیا (٦٥) ۔

جہاں تک اس کی تصنیفات کا تعلق ہے ، رینان نے جو فہرست ابن رشد کی کتابوں کی دی ہے اس میں ۲۸ کتابیں فلسفے پر، پانچ علم کلام اور مذہب ، آٹھ فقه واصول فقه ، چار علم هیئت، دو صرف و نحو اور بیس طب پر ہیں (٦٦) ۔ اسی طرح لطفی جمعہ نے ۲۸ فلسفیانہ تالیفات، پانچ الہیات ، آٹھ فقه پر کتابوں کی فہرست رینان کی طرح دے کر لکھا ہے کہ اس کے علاوہ اس کی چار کتابیں فلکیات پر ، دو نحو پر اور بیس طب پر ہیں (٦٧) ۔ اسی طرح جمعہ نے اس کی پانچ مطبوعہ عربی کتابوں کا نام : تہافة التہافه ، فصل المقال، الکشف عن مناهج الادلة ، القسم الرابع من وراء الطبیعه اور بدایة المجتہد ونہایة المقتصد دیا ہے (٦٨) اور تقریباً ۱۳ کتابوں کی تالیف کے وقت ابن رشد کی عمر لکھی ہے اور یہاں چار کتابوں کے نام

دیئے ھیں جن کا بقول اس کے سال تدوین نہیں دیا جا سکتا (۶۹) ۔ اسی طرح رینان نے ان کتابوں کی فہرست دی ہے جو ابن رشد نے ۱۱۷۱ء اور ۱۱۹۵ء کے درمیان لکھی ھیں اور اکثر ان کا مقام تالیف بھی دیا ہے۔ یہاں اس نے ارسطو کی تصنیفات کی ان شرحوں کی بھی تفصیل دی ہے جو ھمارے پاس عربی، عبرانی یا لاطینی میں موجود ھیں (۷۰) ۔

ارسطو کی شروح :

ابن رشد کو ارسطو کے سب سے بڑے شارح ہونے کا فخر حاصل ہے۔ البتہ اس نے ارسطو کی ان تمام کتابوں کو جن کی شرح کی ہے عربی میں پڑھا تھا کیونکہ دیگر مسلمان حکما کی طرح اسے بھی یونانی زبان نہیں آتی تھی ۔ ارسطو کی ان کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں اس سے تین سو سال قبل شام کے (مسیحی) مترجموں حنین بن اسحاق، اسحاق بن حنین ، یحیی بن عدی وغیرہ نے کیا تھا ۔ یونانی سے ناواقفیت کے سبب اس سے بڑی دلچسپ غلطیاں ہوئی ھیں۔ ان کتابوں کے اصل متون یونانی میں تھے پھر شامی زبان میں ترجمہ ہوئے اور شامی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے ۔ اس عربی ترجمہ پر جو شرحیں لکھی گئیں وہ اکثر عبرانی میں ترجمہ ہوئیں اور عبرانی سے لاطینی زبان میں آئیں ۔ (اور بعض صورتوں میں عبرانی سے پھر عربی میں ترجمہ ہوئیں) ۔ اس بار بار ترجمہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے کے بعد اصل کا کس قدر حصہ باقی رہ گیا ہو گا ۔ البتہ اس کے باوجود ابن رشد نے ارسطو کو سمجھنے میں زیادہ غلطیاں نہیں کیں اور بقول اسحاق ووزمس (Issac Vossims): ,,اگر اس نے یونانی نہ جان کر ارسطو کے مفہوم کو اس قدر اچھا سمجھا ہے تو اگر وہ یونانی زبان سے بھی

واقف ہوتا تو وہ کیا کچھ نہ کرتا ،، (۷۱) ۔

بہرحال ان شرحوں کی حیثیت تاریخی زیادہ ہے اور ارسطو کی اپنے افکار کو ان شروح سے سمجھنا بے سود کام ہے (۷۲) ۔

ابن رشد ارسطو کے شارحین میں اسکندر افرودیسی (Alexander Aphrodisias) سامسطیوس (Themistius) اور نقولائی دمشقی (Nicolas de Damao) کا حوالہ اکثر دیتا ہے۔ عربوں میں سے ابن سینا اور ابن باجہ کے اقوال اکثر نقل کرتا ہے۔ ان میں ابن سینا اور اسکندر کی آرا کی اکثر تردید کرتا ہے اور ابن باجہ سے اگر کہیں اختلاف بھی کرتا ہے تو عزت اور احترام سے ۔ ابن رشد اپنی شرح میں اپنے سے پہلے عرب شارحین کی آراء کو جمع کرکے ان میں تطبیق پیدا کرتا ہے ، چنانچہ عربی فلسفہ ابن رشد کے نام سے موسوم ہونے لگا ۔ بعد میں آنے کے سبب اس کو متقدمین کی آرا کو جمع کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہ ان میں سے بعض پر تقریظ اور بعض پر تنقید کرتا ہے ۔ اس طرح وہ صرف شارح و مقلد نہیں بلکہ ایک جدت پسند اور مخترع فلسفی ہے (۷۳) ۔

ابن رشد نے ارسطو کو درجہ تقدس تک پہنچا دیا ہے۔ اپنے مقدمہ طبیعات میں وہ لکھتا ہے : اس کتاب کا مصنف ارسطاطالیس بن لقوماجس (نیکومیک Nicomaque) یونان کا دانا ترین شخص ہے جس نے منطق وطبیعیات ومابعد الطبیعیات کو ایجاد کیا اور ختم بھی کر دیا۔ ایجاد کرنا میں اس وجہ سے کہتا ہوں کہ اس کی تصنیف کے پہلے جس قدر کتابیں ان مضامین پر لکھی گئی تھیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے اور اس کی تحریروں کے سامنے بالکل گرد ہو گئیں ۔ ختم کرنا میں اس واسطہ سے کہتا ہوں کہ اس کے زمانے سے ہمارے زمانے تک یعنی ان پندرہ سو برس میں ایک بھی کتاب ایسی

نہیں لکھی گئی جو اس کی تصانیف پر اضافہ کہی جاسکے ۔ اور نہ اس کی تصانیف میں ایک بھی ایسی غلطی معلوم ہوئی جسے کچھ اہمیت دی جا سکے ۔ لیکن یہ واقعہ کہ ایک ہی شخص کی ذات میں یہ تمام صفات جمع نظر آتی ہیں بے شک بہت عجیب و حیرت انگیز ہے ۔ جس شخص کو یہ نعمتیں بخشی گئی ہوں اسے انسان کے بجائے دیوتا کہا جائے تو بجا ہے ۔

ایک دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے : ,, ہم اس ذات کی بے حد ثنا و صفت کرتے ہیں جس نے اس شخص (ارسطو) کی تقدیر میں پہلے ہی سے یہ سب کمالات مقدر کئے تھے اور جس نے شرف انسانی کے ایسے اعلیٰ پایہ پر اسے جگہ دی جہاں تک کسی زمانہ میں کوئی انسان نہیں پہنچ سکا ۔ ایسے ہی لوگوں کی طرف خدائے بزرگ و برتر اشارہ فرماتا ہے جہاں وہ قرآن پاک میں کہتا ہے ,, ذالک فضل اللہ یؤتیہِ من یشاء ،، (سورۃ الحدید ۵۷ : آیہ ۲۱) ۔

ایک اور جگہ ابن رشد لکھتا ہے : ,, ارسطو کے مسائل بالکل حق ہیں چونکہ اس کا دماغ ذکاوت انسانی کی انتہا ظاہر کرتا ہے اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ خدا نے ہمیں اس قدر تعلیم دینے کے لئے اس شخص کو بھیجا تھا جس قدر حاصل کرنا ہمارے امکان میں داخل ہے ،، ۔ پھر ایک جگہ کہتا ہے : ,, یہ شخص (یعنی ارسطو) فطرت کا معیار تھا اور ایک نمونہ تھا جس میں فطرت نے اپنے تئیں بدرجہ کمال ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی،،(۵۷) ۔

باوجود اس عزت اور احترام کے وہ ارسطو کی ہر رائے کو پرکھ کر قبول کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے : ,, جو کچھ حکماء نے اپنی کتابوں میں لکھا اور ثابت کیا ہے اس پر ہم اول غور و فکر کرتے ہیں اور اس میں سے جو کچھ حق کے مطابق ہوتا ہے اس کو قبول کر لیتے

ھیں اور ان سے مسرور ھوتے ھیں اور ان کا شکریہ ادا کرتے ھیں اور جو حق کے خلاف ھو ان پر اعتراض کرتے ھیں اور ان سے احتراز کرتے ھیں "(۷۶) ۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ جو شخص قدیم حکما کی کتابوں کا مطالعہ کرے وہ گمراہ اور کافر ھو جائے گا ، ابن رشد اس کی پوری طرح تردید کرتا ہے اور کہتا ہے : ,, اگر کوئی شخص ان کتابوں کے مطالعہ سے گمراہ ھو جائے یا اس سے کوئی لغزش سرزد ھو تو اس کی وجہ یا تو یہ ھوگی کہ ان کتابوں پر غور و فکر کرتے وقت اس کو مغالطہ ھوا ھوگا ، یا اس پر شہوتوں کا غلبہ ھوا ھوگا یا ان کتابوں کے سمجھنے کے لئے اس کو کوئی معلم دستیاب نہ ھوا ھوگا ... یہ لازم نہیں آتا کہ ھم ان لوگوں کو بھی ان کتابوں کے مطالعہ سے باز رکھیں جو اھل نظر ھیں"(۷۷) ۔

ابن رشد نے ارسطو کی تصانیف کی شرحیں تین طرح لکھی ھیں، شرح صغیر ، شرح متوسط اور شرح کبیر (۷۸) ۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ھو چکی ہے کہ اس نے یہ شرحیں اسی ترتیب سے لکھیں ھیں ۔ یعنی اول شرح صغیر پھر متوسط اور پھر شرح کبیر (۷۹) ۔ یہ ترتیب اسلامی جامعات کے تین مدارج کے مطابق رکھی گئی ہے۔ شرح صغیر پہلے سال کے لئے ، شرح متوسط دوسرے سال کے لئے اور شرح کبیر تیسرے سال کے لئے ۔ عقائد کی توضیح میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے (۸۰) ۔

شرح کبیر میں اس کی شرح کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پیشرو شارحین مثلاً ابن سینا اور فارابی وغیرہ کے طریقہ کے برخلاف جو شرح اور متن کو مخلوط کر دیا کرتے تھے ، ابن رشد ھر جگہ ,, قال ارسطو،، سے ارسطو کے قول کی تحدید کر دیتا ہے۔گویا یہ شرح تفسیر

قرآن کے مشابہ ہے جس میں متن اور شرح میں پوری طرح امتیاز ہوتا ہے۔ شرح متوسط میں پورے فقرات کے بجائے پہلا لفظ اشارۃً لکھتا ہے اور پھر کل کی توضیح کر دیتا ہے (۸۱) ۔ جو فارابی کا طریقہ ہے (۸۲)۔ شرح صغیر ایک مختصر اقتباس نثر منظوم کی قسم سے ہے، اس میں ابن رشد خود متکلم ہے (۸۳) ۔ اس میں وہ متن سے بالکل تعرض نہیں کرتا ۔ وہ ارسطو کے مسائل بیان کرتا ہے پھر اس میں گھٹاتا ہے اور اس پر اضافہ کرتا ہے اور اپنے خیالات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے دوسرے رسالوں کا حوالہ دیتا ہے۔ اس میں جو طریقہ بحث اور ترتیب مضامین اس نے اختیار کیا وہ اس کا اپنا ہے۔ دراصل یہ شروح صغیر اپنی جگہ مکمل اور مستقل رسالے ہیں جن کے نام وہی ہیں جو ارسطو کے رسائل کے ہیں (۸۴) ۔

ابن رشد کا فلسفہ اور افکار :

یہاں ہم ابن رشد کا فلسفہ اور اس کی افکار کا خلاصہ ٹ ۔ ج دوبوئر کی تاریخ فلسفہ اسلام ترجمہ ڈاکٹر عابد حسین سے پیش کرتے ہیں ۔ بقول ڈاکٹر موصوف ,, یہ کتاب اسلامی فلسفہ کی ان چند کتابوں میں سب سے زیادہ مستند ہے جو اس عہد میں لکھی گئی ہیں ،،(۸۵) ۔ یہ فلسفہ اور افکار محمد لطفی جمعہ کی ,,تاریخ فلاسفہ الاسلام،، (ص ۳۳۵ ۔ ۳۱۰) رینان کی ,,ابن رشد و فلسفہ ابن رشد،، (ص ۱۱۰ ۔ ۱۷۵) میں نہایت تفصیل سے دئے گئے ہیں ۔

اول ہم اس کے ان نظریات کا خلاصہ ,, تاریخ فلاسفہ الاسلام ،، سے پیش کرتے ہیں جن کی وجہ سے اسے دوسروں پر تفوق حاصل ہے۔

اول یہ کہ قدیم فلسفیوں نے کائنات کی تفسیر وتعلیل اور سبب اول کی دریافت اور اس کی تحدید سے متعلق دو نظریات پیش کئے ہیں ۔ ایک نظریہ علۃ العلل کی آزادی اور ان خصوصیات سے

بحث کرتا ہے جس سے اس کی تحدید و تعیین ہوتی ہے اور یہ کہ علۃ العلل کو جو تدبیر عالم میں دخل ہے وہ عنایت الٰہی کا اقتضا ہے۔ یہ نظریہ نفس انسانی کو مادی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ دوسرے نظریہ کی رو سے مادہ ازلی ہے اور حیات کی اصل وہ جرثومات ہیں جو اپنی پوشیدہ قوت کے اعتبار سے مختلف اشکال اختیار کرتی ہیں ۔ نیز یہ کہ علۃ العلل غیر محدود ہے ۔کائنات میں چند قوانین لزومی و ضروری ہیں ۔ عقل کا وجود غیر مستقل ہے۔ فلاسفہ اسلام نے دوسرا نظریہ اختیار کیا اور اس کے اظہار اور تفسیر میں ابن رشد نے دوسروں پر فوقیت حاصل کی ہے۔ ابن رشد نے پہلے مسلک کے بجائے جو تخلیق کا حامی ہے دوسرے مسلک کو جو تطور اور ارتقا کا قائل ہے اختیار کیا ہے ۔ اس کے نزدیک مادہ ازلی ہے اور وہ اصل کائنات ہے اور ناگزیر ہے۔

علۃ العلل کے لحاظ سے کائنات کی تدبیر و تصرف کی ابن رشد نے اس طرح وضاحت کی ہے: کائنات ایک شہر کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا حاکم وہ اعلیٰ ہستی ہے جو تمام امور کا مصدر ہے ، البتہ حوادث کی جزئیات اور تفصیلی امور کا اس سے بلاواسطہ صدور نہیں ہوتا ، نہ اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔

ابن رشد کے عقیدہ کی رو سے آسمان ایک ذی حیات شے ہے۔ اس کی تکوین کئی اجرام سے ہوئی ہے۔ ان اجرام کے خاص نظامات ہیں جو ان کی زندگی، ان کے ادوار اور ان کے باہمی تاثرات اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات سے تعلق رکھتے ہیں ۔

ابن رشد کے یہ تمام خیالات ارسطو کی ,, مابعد الطبیعہ،، کی بارھویں جلد سے ماخوذ ہیں ۔ البتہ عقل انسانی کے بارے میں اس کی رائے ,, کتاب الروح،، کی جلد ثالث کا خلاصہ ہے جس میں تصوف کی

آمیزش پائی جاتی ہے اور اس میں اسلامی عقائد سے تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی وہ اصول ہیں جن میں مسلمان حکماء کو امتیازی حیثیت حاصل ہے (۸٦) ۔

اب ہم اس کے افکار کا خلاصہ ,, تاریخ فلسفہ اسلام ،، سے پیش کرتے ہیں۔

۱ ۔ کائنات : اپنے پیشروؤں خصوصاً ابن سینا کے برخلاف ابن رشد کھلم کھلا قدم عالم کا قائل ہے گو وہ اسے مخلوق مانتا ہے۔ اس کے عقیدہ کے مطابق دنیا بہ ہیئت مجموعی قدیم ، واجب اور واحد ہے، اور اس میں امکان یا عدم یا تغیر کی گنجائش نہیں ہے۔ ہیولیٰ اور صورت صرف خیال میں ایک دوسرے سے الگ کئے جا سکتے ہیں ۔ صورتیں مغز کی طرح مادہ میں موجود ہیں ۔ مادی صورتوں کا اثر قوائے طبیعی کے مانند ہے جو ابد تک ظہور میں آتی رہیں گی ۔ یہ مادے سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتیں ۔ تاہم انہیں ربانی کہنا چاہیے ۔ تخلیق اور تقدیم دنیا میں نہیں ہوتی کیونکہ حادثہ قوت سے فعل اور پھر فعل سے قوت کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔ ہر شے اپنی مثل کو پیدا کرتی ہے۔

موجودات کے مدارج ہیں ۔ صورتوں کا پورا نظام ادنی مادی درجہ سے ذات ایزدی تک ، جو ,,کل،، صورت اول ہے ، منزل بہ منزل ایک مکمل عمارت ہے۔

ابن رشد کے بقول دنیا کے عقیدہ سے بجا طور پر ایک ایسی ذات کا وجود تسلیم کیا جا سکتا جو دنیا سے علیحدہ ہے ، کائنات کی حرکت اور اس کے خوشنما نظام کو ہمیشہ قائم رکھتی ہے اور اس لئے اسے صانع عالم کہہ سکتے ہیں اس کے اور بقیہ اشیاء کے درمیان واسطہ وہ عقول ہیں جو کرہ ارض اور افلاک کو حرکت میں لاتی ہیں (۸۷) ۔

۲ ـ محرک اول یا خدا : ابن رشد کے نزدیک ذات احدی کی ثبوتی تعریف یہی ہو سکتی ہے کہ ,, وہ ایک خیال ہے جو آپ ہی اپنا موضوع ہے،، ـ یہی خیال وحدت ہے اور یہی وجود بھی ہے ـ بالقوہ وہ اشیاء میں موجود ہے ، لیکن بالفعل وہ ہمارے ذہن میں ہے ـ کیونکہ وہ کیف و کم کے لحاظ تمام موجودات سے برتر ہے ـ وہ کائنات کی کلیات اور جزئیات دونوں کا بلاواسطہ ادراک نہیں کرتا کیونکہ دونوں سے بالا تر ہے ـ وہ تمام اشیاء کا جوہر ، سب کی صورت اصلی اور سب کی علت غائی ہے ـ خدا نظم عالم میں اس طرح دخل نہیں دیتا جیسا عام لوگ سمجھتے ہیں (۸۸) ـ

۳ ـ عقـل : جس طرح مادے میں انفعال ہے اسی طرح عقل میں قبول کرنے کی صلاحیت ہے ـ نفس انسانی کا تعلق جسم سے وہی ہے جو صورت کا ہیولی سے ہے ـ کثرت نفوس کی ابن رشد سختی سے تردید کرتا ہے اور اس معاملہ میں وہ ابن سینا کا مخالف ہے ـ نفس کا وجود وہ محض اس حیثیت سے مانتا ہے کہ وہ اس جسم جس سے وہ تعلق رکھتا ہے اس کی تکمیل کرتا ہے ـ تجربی نفسیات میں جالینوس وغیرہ کے بجائے وہ ارسطو کا مقلد ہے لیکن ,, نوس،، یا عقل کل کے بارے میں وہ اپنے استاد (ارسطو) سے اختلاف رکھتا ہے ـ عقل مادی کو وہ روح انسانی کی ایک صلاحیت یا قوت نہیں سمجھتا نہ ادراک کی نیم محسوس و نیم معقول زندگی کا مترادف خیال کرتا ہے ، بلکہ وہ فرد کے مافوق کوئی شے مانتا ہے ـ عقل مادی بھی اس کے نزدیک عقل محض یا عقل فعال کی طرح ایک ابدی لاثانی عقل ہے جس کی ہستی انسانی ہستی کے مافوق ہے ـ وہ عالم نفوس یا عقول میں بھی مادے کا مستقل وجود مانتا ہے ـ اس کے خیال میں عقل مادی ایک ابدی جوہر ہے ـ عقل منفعل انسانی فرد کی فطری صلاحیت یا قوت

علم ہے یہ اسی طرح پیدا ہوتی اور غائب ہو جاتی ہے جیسے انسان بہ حیثیت فرد کے ، لیکن عقل مادی ہمیشہ باقی رہتی ہے جیسے انسان بہ حیثیت نوع کے ہمیشہ باقی رہتا ہے ۔ عقل فعال نفس انسانی کے ادراکات کو معقول بناتی ہے اور عقل منفعل ان معقولات کو اپنے اندر قبول کرتی ہے ۔ عقل فعال کس حد تک ان ادراکات کو معقول بنا سکتی ہے اور عقل منفعل کس حد تک انہیں اپنے اندر قبول کر سکتی ہے یہ ہر فرد بشر کی مجموعی روحانی صلاحیت اور اس کے ادراکات کی نوعیت پر منحصر ہے ۔ یہی سبب ہے کہ سب انسان معقولات کے علم میں مساوی درجہ نہیں رکھتے ۔ اس علم کی مجموعی مقدار دنیا میں ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے اگرچہ اس کی تقسیم افراد میں بدلتی رہتی ہے (۸۹) ۔

,,ملحدانہ ،، نظریات :

اس طرح ابن رشد کے افکار اپنے تین ,, ملحدانہ ،، نظریات کی وجہ سے اپنے زمانہ کے تین عالمگیر مذاہب ، یہودیت، مسیحیت اور اسلام کے رائج عقائد کے مخالف ہیں ۔ اول مادی دنیا اور اس کو حرکت دینے والی عقول کی قدمت کا تصور، دوسرے کائنات کے تمام واقعات کو علت و معلول کے سلسلہ کا پابند سمجھنا جس کے سبب خرق عادت اور معجزہ وغیرہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ تیسرے تمام منفرد چیزوں کو فانی ماننا جس کی وجہ سے انسانی افراد کے بقائے نفس کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے۔ ابن رشد کے مادے کے قدم ، صوریت اور فعالیت پر اتنا زور دینے سے روح کی برائے نام بادشاہی محض مادے کے طفیل سے رہ جاتی ہے۔

بہرحال ابن رشد کو اگر بدیع الفکر نہیں تو دقیق النظر اور مستقیم الرائے حکیم ضرور ماننا پڑے گا (۹۰) ۔

فلسفه اور مذهب کی تطبیق :

ابن رشد کا سب سے بڑا کارنامه فلسفه اور مذهب میں تطبیق کی کوشش ہے ۔ اس میں وہ فارابی کے مشابه ہے جس نے افلاطون اور ارسطو کے خیالات میں تطبیق کی کوشش کی ہے ۔ خود امام غزالی نے بھی اسی اصول کو اپنایا ہے ، چنانچه ان کے تمام فلسفیانه اصول بالاخر تصوف پر منتهی هوتے هیں ۔ اس طرح وہ دونوں سعادتوں سے محروم رهے ۔ البته ابن رشد کو فطرت نے فلاسفه عرب میں یه امتیاز عطا کیا ہے که وہ فلسفیانه بحث میں دل کی مضبوطی اور میزان اعتدال میں اشیاء کا توازن قائم رکھتا ہے ۔ اس کے یہاں کوئی مبالغه آمیز خیالات نہیں جو اس کے صحیح حکم کی قیمت کم کر دیں (۹۱)۔

ابن رشد کے اپنے لئے اس کا نظری فلسفه کافی تھا لیکن اس کے زمانے کا تقاضا تھا که وہ مذهب اور عملی فلسفه کی طرف بھی توجه دے (۹۲) ۔ مذهب اور فلسفه میں تطبیق کی خاطر اس نے دو کتابیں لکھیں : ,, فصل المقال فیما بین الحکمة والشریعة من الاتصال ،، اور ,, الکشف عن مناهج الادلة فی عقائد الملة وتعریف ماوقع فیها بحسب التاویل من الشبه المزیفه والعقائد المضلة ،، ۔

ابن رشد کے نزدیک مذهب ایک قانون ہے ، نه که کوئی علم ۔ اس لئے وہ همیشه ان علمائے دین کی مخالفت کرتا ہے جو حسن عقیدت سے احکام مذهب کے سامنے سر جھکانے کے بجائے اس کی تفسیر وتاویل کرتے هیں ۔ وہ امام غزالی پر الزام لگاتا ہے که ان کی وجه سے فلسفه کا اثر مذهب پر پڑا ، اور اس طرح بہت سے لوگ شک و کفر والحاد میں مبتلا هو گئے ۔ اس کے خیال میں عوام کو چاهیئے که جو کچھ کتاب الله میں ہے اس پر ایمان لائیں ۔ یه ایک ایسا حق ہے جو طفل طبع لوگوں کے لئے موزوں ہے ۔ مثلاً قرآن میں خدا کے وجود کے دو

ثبوت ھیں جو ھر شخص کی سمجھ میں آ جاتے ھیں : تمام مخلوقات خصوصاً انسانوں کی کفالت کے لئے ایک نظام (الھی) کا وجود اور حیوانات، نباتات وغیرہ میں جان پڑنا ۔ ھمیں ان آیات میں نہ تصرف کرنا چاھیے اور نہ متکلمانہ انداز میں وحی الھی کی تاویل کرنا چاھیے کیونکہ جتنے ثبوت علمائے دین خدا کے وجود کے حق میں پیش کرتے ھیں وہ علمی تنقید کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے ۔ ان باتوں سے الحاد اور مشرب رندانہ کو ترقی ملتی ہے ۔ ھمیں اخلاق اور ریاست کی خاطر نیم ملاؤں کی مخالفت کرنا چاھیے (۹۳) ۔

البتہ ذی علم فلسفیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کلام الھی کی تفسیر کریں ، وہ اعلیٰ حقیقت کی روشنی میں اصلی مطالب کو سمجھیں لیکن عوام کو صرف اتنا بتائیں جتنا ان کی سمجھ میں آسکے ۔ اس طرح مذھب اور فلسفہ میں خوشنما ھم آھنگی پیدا ھوتی ہے ۔ مذھب اور فلسفہ کے مقاصد کا اختلاف ھی ان کے اتحاد کا باعث ہے ۔ ان میں وہ نسبت ہے جو علم و عمل میں ہے ۔ فلسفی چونکہ مذھب کی اصلیت سے واقف ہے اس لئے وہ اس کی مخصوص قلمرو میں اس کا سکہ چلنے دیتا ہے ۔ لہذا فلسفہ اور مذھب میں ابن رشد کے عقیدہ کے مطابق تناقض نہیں ہے ۔ حق کی اعلیٰ صورت اور مذھب کی برتر شکل فلسفہ ھی ہے کیونکہ فلسفیانہ مذھب ان چیزوں کی معرفت کا نام ہے جو حقیقی وجود رکھتی ھیں (۹۴) ۔

اسلام کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ اسلام ایک کامل قومی نظام ہے اور قبائل کے لئے سب سے بہتر اجتماعی قوت ہے ۔ وہ ایک مخلوط حقیقت (یعنی حقیقت علم یا فلسفہ اور حقیقت مذھب کے مجموعہ) کا بانی ہے ۔ اس مذھب کو ایک خاص اھمیت حاصل ھو گئی ہے جس کا تذکرہ صدیوں تک نصرانی مباحث میں ھوتا رھے گا (۹۵) ۔

امام غزالی کے اقوال کی تردید :

ابن رشد امام غزالی کی بڑی عزت کرتا ہے لیکن ان پر ان کے فلسفے کی مخالفت کے سبب سخت تنقید کرتا ہے اور اس نے ان کی کتاب ,, تہافۃ الفلاسفہ،، کے جواب میں ایک زبردست کتاب ,,تہافۃ التہافۃ،، لکھی ہے جس میں اس نے ان تمام الزامات اور اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے جو امام غزالی نے فلاسفہ کے خلاف اپنی کتاب میں اٹھائے ہیں ۔

امام غزالی نے سب سے پہلے عقل کے ذریعہ حقیقت کی دریافت کو محال قرار دیا اور جب انہیں حقیقت کی دریافت میں عقل بشری کے عجز کا یقین ہو گیا تو انہوں نے صوفیا کا مسلک اس خیال کے تحت اختیار کیا کہ ان کا طریقہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے سب سے زیادہ قریب ہے۔ انہوں نے فلاسفہ کے نظریات کی بیخ کنی شروع کی اور مبداء علت کی بنیاد ہی اکھیڑ دی ... غزالی نے علم کی اہمیت کم کر دی اور اس کے حصول سے ممانعت کی ۔ نیز قوت عقل کا انکار اور اس کے عجز کا اظہار کیا ۔ اس خیال کی رو سے وہ یورپ کے دو جدید فلسفیوں (ہیوم اور کانٹ) پر گوئے سبقت لے گئے (۹۶) ۔

امام غزالی نے حدوث نفس کے بارے میں جو کچھ حکماء کی طرف منسوب کیا ہے اس کی تردید کرتے ہوئے ہیولیٰ کی بحث کے ضمن میں ابن رشد لکھتا ہے : ,, ابو حامد (محمد غزالی) نے اس قسم کے امور کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے جو ان کے شایان شان نہیں تھا ۔ کیونکہ اس سے دو باتیں لازم آتی ہیں ۔ انہوں نے اصل حقائق کو سمجھ لیا تھا اور عمداً اس کے برعکس پیش کیا جو اشرار کا فعل ہے ، یا اصل حقیقت ہی کو نہیں سمجھا اور ایسے امور کو بیان کیا جن سے وہ خود کماحقہ واقف نہ تھے اور یہ جہّال کا فعل ہے ۔

ہمارے خیال میں غزالی جیسا جلیل القدر انسان ان دونوں عیوب سے منزہ ہے ۔ البتہ ہر کامل فرد سے کچھ نہ کچھ لغزش ہوتی ہے ۔ چنانچہ غزالی کی مسامحت یہ ہے کہ انھوں نے اس قسم کی کتاب لکھی۔شاید انھوں نے اپنے زمانہ اور حالات کا لحاظ کرتے ہوئے اس جانب توجہ کی ہوگی (۹۷) ۔

ابن رشد بڑا بے باک فلسفی ہے۔ وہ کچھ چھپاتا نہیں ۔ وہ تمام مسائل کو فلسفیانہ نقطہ نظر سے بیان کرتا چلا جاتا ہے ۔ وہ کسی مذہب پر حملہ نہیں کرتا ۔ علمائے مذہب پر اسی وقت تنقید کرتا ہے جب وہ فلسفیانہ مباحث کے میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ وہ متکلمین کی اپنی تصنیفات کے ہر صفحہ پر تردید کرتا ہے۔ اس وجہ سےکہ انکا دعوی ہے وہ اپنے عقائد کو منطق اور معقول سے ثابت کر سکتے ہیں ۔ خاص طور پر امام غزالی کے بارے میں وہ کہتا ہے :
,, یہ مرتد فلسفہ ، یہ احسان فراموش ، اس نے اپنی تمام معلومات کو کتب فلاسفہ سے اخذ کیا اور پھر انہی ہتھیاروں کو لے کر ان پر جھپٹ پڑا جو خود ان سے عاریۃً لے گیا تھا،۔ وہ کہتا ہے کہ غزالی کے ,,تہافۃ الفلاسفۃ،، لکھنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اس کی دماغی ترکیب اپنی جگہ سے ہٹ کر بالکل اوندھی ہو گئی تھی یا شاید اس کی خواہش تھی کہ علمائے مذہب کو جو اسے شبہہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے راضی کر لیا جائے ۔۔ علمائے مذہب ہمیشہ فلاسفہ کے دشمن رہے ہیں ۔ اس لئے اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ پہلے ہی ان کی نفرت کے مقابلہ کے لئے اپنے واسطہ ایک جگہ مضبوط کر لے ۔ ابن رشد کہتا ہے کہ ,, ہمارا خیال یہ ہے کہ اس (غزالی) کی کتاب کے چھپے ہوئے زہر کو ہم روز روشن کی طرح کھول کر رکھ دیں، گو اس میں اندیشہ ہے کہ جن لوگوں نے ہماری مادر یعنی فلسفہ پر ظلم توڑے ہیں ان کے غیظ و غضب کا ہمیں بھی نشانہ بننا ہوگا (۹۸) ۔

امام غزالی کا طریق کار نہایت مؤثر ہے۔ شروع ھی میں اس کتاب (تہافۃ الفلاسفہ) کے پڑھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزالی عنقریب زمین چیر دیں گے ، پہاڑ کی چوٹیوں تک پہنچ جائیں گے اور حکما کے فلسفے کی بنیاد ھی منہدم کر دیں گے ۔ ... اس سے ظاھر ہوتا ہے کہ غزالی ,,تمہید بالمدافع،، کے طریقہ سے واقف تھے ۔ کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ایسے پر زور الفاظ اور جملے استعمال کئے ھیں جن سے ان کے مخالفین کے دل میں ایک رعب قائم ہو جائے ۔ پھر منطقی انداز میں فلسفہ کے مسائل پر مناقشہ شروع کیا ہے۔ ھر وقت مذھبی عبارات کو اپنے اقوال کی تائید میں پیش کیا ہے ، اور جو ان پر ایمان نہ لائے اس کو کافر قرار دیا ہے۔ اس طرح وہ ھر جگہ فلاسفہ پر لعنت بھیجتے ، ان کو گالیاں دیتے اور ان کی تحقیر کرتے ھیں اور ان سے اور انکے کفر سے خدا کی پناہ مانگتے ھیں (۹۹) ۔

انھوں نے ارسطو سے ابن سینا تک تمام مفکرین کی تکفیر کی ہے۔ ان کے نقائص واضح کئے ھیں ۔ ان کے اختلاف اور تناقض کو ظاھر کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بیس مسائل (۱۰۰) میں سے صرف تین کی تردید پر اکتفا کیا ہے۔ گویا وہ ایسے پہلوان کی طرح ھیں جو اکھاڑے میں داخل ھوتا ہے اور بیس داؤ اپنے حریف پر آزماتا ہے اور حریف ان میں سے سترہ کا جواب دے دیتا ہے ، تو نہایت دھشتناک آواز میں عوام کو مرعوب کرنے کے لئے کہتا ہے ، کہ میں اور میرا حریف تین داؤں کے علاوہ بالکل متفق ھیں اور مزید غور و خوض دستیاب ھو تو ان پر بھی متفق ھو جائیں گے (۱۰۱) ۔

اس کے برخلاف ابن رشد کی حیثیت کتاب ,, تہافۃ التہافۃ،، میں ایک فلسفی کی سی ہے جو فلسفہ کے تمام ادوار سے واقف ھو اور یونان اور عرب کے قدیم وجدید اھل فکر کی کتابوں پر عبور رکھتا ھو۔

وہ فلسفے کی ایک ایسے شخص کی طرح مدافعت کرتا ہے جو نہایت پر وقار اور مستقل مزاج ہو اور دشمن کی افترا پردازی سے طیش میں نہ آئے ، نہ بد نیتی اس کو ایسے اقوال پر مجبور کرے جو عاقل کے شایان شان نہ ہو ۔ اسی طرح دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش اس کو مخالف کی توہین پر نہ اکسائے اور نہ قدمائے فلسفہ کی حمایت کا شوق اسے ان فلاسفہ کو ایسے رنگ میں پیش کرنے پر آمادہ کرے جو نفس الامر کے خلاف ہو (۱۰۲) ۔

اپنی کتاب کے مقصد کے بارے میں ابن رشد کہتا ہے ,, اس کتاب ,,تہافۃ التہافۃ ،، کا مقصد اس امر کی توضیح ہے کہ وہ تمام اقوال جن پر کتاب تہافۃ (الفلاسفہ) مشتمل ہے غیر برہانی ہیں اور اکثر سوفسطائیت پر مبنی ہیں اور ان میں سے جو اعلی مرتبہ رکھتے ہیں وہ محض جدلی ہیں ، کیونکہ ان میں برہانی اقوال بہت قلیل ہیں اور تمام اقوال میں برہانی اقوال وہی حیثیت رکھتے ہیں جو معدنیات میں سونا یا جواہرات میں درّ خالص ،،(۱۰۳) ۔

ابن رشد امام غزالی کے ان تینوں اعتراضات کا ایک ایک کرکے جواب دیتا ہے ۔ وہ تین مسائل جن کی بناء پر غزالی نے فلاسفہ کی تکفیر کا حکم دیا ہے یہ ہیں : قدم عالم کا نظریہ ، یہ عقیدہ کہ خدائے تعالی کو جزئیات کا علم نہیں اور حشر اجساد اور احوال معاد کے متعلق آیات کی ان کی اپنی تاویل ۔

ابن رشد سب سے پہلے دوسرے مسئلہ کو اس کی اہمیت کے پیش نظر لیتا ہے اور کہتا ہے : ,, ابو حامد (غزالی) نے حکمائے مشائین (یعنی ارسطو کے پیرو فلاسفہ جن میں خود ابن رشد بھی شامل ہے) کی جانب یہ خیال منسوب کرنے میں غلطی کی ہے کہ وہ اس امر کے قائل ہیں کہ خدائے تعالی کو جزئیات کا مطلقاً علم نہیں ہوتا ۔

حقیقت میں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدائے تعالی کا علم ہمارے علم سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارا علم معلوم بہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اس کے حدوث کی بناء پر حادث ہوتا ہے اور اس کی تغیرات سے متغیر ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے خدائے تعالی کا علم وجود کے متعلق اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ اس معلوم کی علت ہے جو وجود رکھتا ہے۔ پس جس نے ان دونوں علوم کو یکساں قرار دیا اس نے گویا دو متقابل ذوات اور ان کے خواص ایک قرار دیئے اور حقیقت میں یہ انتہائی جہل ہے (۱۰۴) ۔

اس کے بعد قدم عالم کے مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے ، ,,میرے نزدیک قدم عالم اور اس کے حدوث کے متعلق اشاعرہ، متکلمین اور حکمائے متقدمین کے درمیان جو اختلاف چلا آ رہا ہے حقیقت میں وہ محض لفظی اختلاف ہے اور بعض قدماء کے ساتھ مخصوص ہے " ۔ اسی طرح ابن رشد اس مسئلہ کی اہمیت پر زور نہیں دیتا یعنی طرفین اصل جوہر میں تو متفق ہیں البتہ عوارض کے متعلق ان میں اختلاف ہے۔ پس جو ان کے درمیان تطبیق پیدا کرنا چاہیں انہیں چاہیے کہ عوارض سے قطع نظر کرکے جوہر کی طرف رجوع کریں (۱۰۵) ۔

ابن رشد کہتا ہے مذاہب عالم میں کلی بعد نہیں جس کی وجہ سے ان پر کفر کا الزام لگایا جائے۔ یہاں ابن رشد رسول کریمؐ کی وہ مشہور حدیث پیش کرتا ہے جس میں آں حضرتؐ نے فرمایا ہے : ,, اذا اجتہد الحاکم فاصاب فلہ اجران وان اخطاء فلہ اجر " ۔ (اگر کوئی حاکم اجتہاد کرے اور اس کی رائے صحیح ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے) اور اس حاکم سے افضل کون حاکم ہو سکتا ہے جو وجود پر حکم لگائے یعنی گروہ علماء سے (۱۰۶) ۔

پھر تیسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے ، اسلام میں ایمان کے تین طریقے ہیں ، خطابیہ ، جو عوام کا طریقہ ہے ، جدلیہ جو اہل تاویل جدلی کا طریقہ ہے اور تیسرے برہانیہ جو اہل تاویل یقین کا طریقہ ہے ۔ ان تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی ایمان لانا جائز ہے ۔ لہذا ایک ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی جس کا اعتقاد ہو کہ سعادت و شقاوت اخروی کی کوئی اصلیت نہیں ۔ اس عقیدہ کی صرف اس لئے تلقین کی گئی ہے کہ لوگ اپنے اجسام و حواس ایک دوسرے سے محفوظ رکھیں یہ صرف ایک حیلہ ہے انسان کے لئے اس محسوس وجود کے ماوراء کوئی اور غایت نہیں (۱۰۷) ۔

پھر ابن رشد غزالی کی ملامت کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں خطابی اور جدلی طریقے اختیار کئے ہیں اور اس طرح شریعت اور حکمت دونوں کو نقصان پہنچایا ہے اس کے ذریعے ایک گروہ کو فلسفہ کی تنقیص کا موقع ملا اور دوسرا گروہ شریعت کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا ۔ پھر کہتا ہے کہ شریعت کا مقصود علم حق اور عمل حق کی تکمیل ہے ۔ علم حق اللہ تعالی اور تمام موجودات کی کماھی معرفت کو کہتے ہیں اور عمل ایسے افعال کے اختیار کرنے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ سعادت حاصل ہو اور ان افعال سے احتراز کیا جائے جو شقاوت کا سبب ہوں (۱۰۸) ۔

اس کے بعد ابن رشد قرآن کریم کے بارے میں لکھتا ہے : ,, اس کتاب محترم پر نظر غائر ڈالنے سے تین طریقوں کا پتہ چلے گا ۔ ایک وہ جن کا مقصد عامۃ الناس کی تفہیم و تعلیم ہے (یعنی خطابی) ۔ دوسرے وہ مشترک طریقے جو اکثر انسانوں کی تعلیم کے لئے پیش کئے گئے (یعنی جدلی) ۔ تیسرے خاص طریقے (یعنی برھانی)۔پھر کہتا ہے

که اهل اسلام میں سب سے زیادہ دانشمند قرن اول کے لوگ تھے ، کیونکہ انھوں نے ان اقوال پر عمل کرکے کامل فضیلت اور تقوی کے مراتب حاصل کئے اور ان کی تاویل کی طرف توجہ نہیں کی اور جو ان کی تاویل سے واقف تھے انھوں نے ان کی تصریح پسند نہیں کی (۱۰۹) ۔

ابن رشد کے سیاسی و معاشرتی افکار :

ابن رشد جہاں موقع پاتا ہے اپنے زمانے کے جاہلی حکمرانوں اور دشمن تعلیم نام نہاد علمائے دین پر تنقید کرتا ہے ۔ اس کے نزدیک ریاست میں زندگی بسر کرنا عزلت نشینی سے بہتر ہے ۔ اس کی رائے میں تنہائی کی زندگی میں علوم و فنون کی پوری تدوین وتکمیل نہیں ہو سکتی ۔ زیادہ سے زیادہ انسان ان علوم سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جنھیں وہ پہلے سیکھ چکا ہے اور شاید ان میں تھوڑا سا اضافہ بھی کرسکے لیکن ہر شخص کو معاشرت کی فلاح کیلئے جس حد تک ممکن ہو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے (۱۱۰) ۔

جمہوریت پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ ظلم کے بارے میں لکھتا ہے کہ ظالم وہ ہے جو رعایا پر حکومت کرنے میں اپنی مصلحت کو پیش نظر رکھے نہ کہ ان کی ضرورتوں کو ۔ ساتھ ہی وہ مختلف مظالم کی تشریح کرتا ہے ۔ پھر کہتا ہے کہ عربوں کی قدیم حکومت اسلام کے ابتدائی دور میں افلاطونی نظام جمہوریت پر مبنی تھی لیکن امیر معاویہ نے اس نظام کو تہ و بالا کر دیا ۔ قدیم اصول ترک کرکے اس نظام کے حسن و خوبی کو زائل کر دیا اور اس کے بعد ایک استبدادی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت اسلام کے اراکین پراگندہ ہوگئے اور تمام شہروں میں فوضیت (فوضویت)★ رونما ہوگئی جن میں اندلس کے شہر بھی داخل ہیں (۱۱۱) ۔

★ لاقانونیت ، نراج

اس کے بعد وہ اسلامی معاشرہ میں عورت کے تعلق پر بحث کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عورت ، مرد سے بہ لحاظ درجہ کم تر واقع ہوئی ہے ، نہ کہ بلحاظ طبیعت ۔ یعنی وہ نوعیت کے اعتبار سے کم نہیں ہے بلکہ کمیت کے اعتبار سے کم ہے۔ یہ مردانہ افعال کے انجام دھی کی قوت رکھتی ہے۔ جیسے جنگ میں حصہ لینا اور فلسفہ سیکھنا وغیرہ۔ تاہم وہ مردوں سے درجہ میں کم ہے۔ گو بعض فنون میں اس پر سبقت لے گئی ہے جیسے موسیقی ۔ نغموں کے ,,وضع،، میں مردوں کو خاص دخل ہے ، لیکن اس کی ,,توقیع،، کے لئے عورت زیادہ موزوں ہے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ جمہوریت میں اگر عورتیں حکومت کریں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں جنگ کی صلاحیت موجود ہے۔ مثال کے طور پر وہ وہ افریقہ کی عورتوں کو پیش کرتا ہے۔

پھر وہ کہتا ہے کہ ہماری اجتماعی حالت ہمیں اس قابل نہیں رکھتی کہ ہم ان تمام فوائد کا استعمال کر سکیں جو ہمیں عورت کی ذات سے حاصل ہو سکتے ہیں ۔ بظاہر وہ حمل اور پرورش اطفال کے لئے کارآمد معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس غلامی کی حالت میں ہم نے اپنی عورتوں کی پرورش کی ہے۔ اس سے ان کی تمام اعلی فطری قوتیں مضمحل ہو گئی ہیں اور ان کی عقلی قدرت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس لئے اس وقت ہم کو کوئی ایسی عورت نہیں ملتی جو اعلیٰ فضائل اور اخلاق رکھنے والی ہو۔ ان کی زندگی گھاس پات کی طرح ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے شوہروں پر بار ثابت ہوتی ہیں ۔ یہ امر تمدن کی سخت تخریب اور انحطاط کا موجب ہوا کیونکہ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد کے مضاعف ہے۔

گویا عورتیں دنیا کی مجموعی آبادی کا دو ثلث حصہ ہیں لیکن باقی ثلث کے جسم پر مثل طفیلی حیوان کے زندگی بسر کرتی ہیں ۔

صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنی ضروری قوتوں کی تکمیل سے عاجز ہیں (۱۱۲) ۔

تصوف اور صوفیا کے بارے میں ابن رشد کی رائے سخت ہے۔ وہ ان کے زھد و تقویٰ پر طعن کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان کی زندگی کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے نفس کی اعلیٰ قوتیں اس کے حواس پر غالب رہیں ۔ جو شخص اس مرتبہ پر فائز ہو جائے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اس کا عقیدہ خواہ کچھ ہی ہو ۔ یہ مرتبہ انسانی سعادت کی انتہائی منزل ہے ... معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فلاسفہ کی بہ نسبت وہ تصوف سے بہت کم آشنا تھا ۔ اس نے زیادہ تر عقل کی اتباع کی اور ہمیشہ حقائق کو پیش نظر رکھا ۔ اس کا قول تھا واجب الوجود سے اتصال علم کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے (۱۱۳) ۔

ابن رشد کے اشتباھات :

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ابن رشد یونانی زبان سے واقف نہیں تھا۔اس وجہ سے ارسطو کی تصانیف کی شرح کرتے وقت اس سے عجیب غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کی تفصیل اس کے زبردست ناقد لوی قیقس نے گنائی ہیں ۔ لیکن اس نے ابن رشد کی مجبوری پر غور نہیں کیا کہ وہ یونان کی زبان، وہاں کے آداب اور اخلاق اور اس کی تاریخ سے بالکل ناآشنا تھا (۱۱۴) ۔ اس کے باوجود ارسطو کی تصنیفات کی ایسی شرح جس میں بہت کم غلطیاں ہیں، اس کے نابغہ ہونے کا بین ثبوت ہے ۔

دوسری غلطی جو آج کی دنیا کے لئے نہایت مضحکہ خیز ہے اس کا یہ عقیدہ ہے کہ زمین ساکن ہے ۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ خدائے تعالی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ الم یجعل الارض مہادا

والجبال اوتادا (سورۃ النساء ۷۸، آیه ٦ ــ ۷) (کیا هم نے زمین کو فرش اور پہاڑ کو میخیں نہیں بنایا) جس سے اس کے گردش زمین کے عدم علم کا پته چلتا ہے (۱٦۵) ۔

خــاتمـه :

ابن رشد کے ان افکار کے خلاصه کی روشنی میں هم اسے سب سے بڑا عرب فلسفی قرار دے سکتے هیں اور اس نتیجه پر پہنچتے هیں که اگر اس کی تصانیف کی کما حقه اشاعت عالم اسلام میں هوتی اور لوگوں کو ان سے استفادہ کا موقع دیا جاتا تو اسلامی دنیا فکری جمود اور پسماندگی کا شکار نه هوتی ۔ لیکن بقول ٹ ۔ ج ۔ دوبوئر کے کوئی مروجه مذهب (اور اس کے دعوے دار) اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتے که حقیقت کی قلمرو میں فلسفه کی فرمانروائی هو (۱۱۵) ۔ چنانچه قدرتی بات ہے مشرقی اسلامی دنیا کی طرح مغربی اسلامی دنیا میں بھی وہ لوگ جن کو علم دین کے جمله حقوق اپنے لئے محفوظ کرنے اور بلا شرکت غیرے ان پر قابض رهنے کی خواهش تھی، اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک انھوں نے فلسفه کو کفر و الحاد کے مترادف قرار دے کر اس کے مطالعه کو ممنوع بلکه حرام قرار نہیں دے دیا، اور فلسفه اور علوم عقلی کا تمام اسلامی دنیا سے جنازہ نه نکال دیا ۔

آخر میں هم ڈی او لیری کے فلسفه اسلام کے خاتمـه کا اردو ترجمه یہاں پیش کرتے هیں جو بڑی حد تک همارے ان بیانات کی تائید کرتا ہے ، جو اس مقاله کے آغاز میں آئے هیں ۔

,,هم یونانی ثقافت کی ایک خاص قسم کے سلسله روایات کو بیان کر چکے هیں جو شامی کلیسا، ایران کے زرتشتیوں اور حرّان کے وثنیوں کے ذریعے سے ملت اسلامی تک پہنچی، جهاں ان لوگوں کی

سرپرستی کی بناء پر جنھیں سرکاری مسلم اساتذہ نے بدعتی قرار دینے کا تصفیہ کیا، یہ کسی حد تک الجھن میں مبتلا ہو گئی ۔ اس مخالفت کے باوجود اس نے مسلمانوں کی الہیات اور عام عقائد پر بیّن اور مستقل اثر چھوڑا ہے۔ مشرق میں نرم و گرم زندگی گزارنے کے بعد یہ اندلس کی مغربی اسلامی جماعت تک پہنچی، جہاں اس کا بہت ھی خاص نشو ونما ھوا، جس نے بالآخر عیسائی اور یہودی فکر پر خود مسلمانوں سے زیادہ گہرا اثر کیا اور اپنے آخری ارتقا تک شمالی اٹلی میں جا پہنچی، جہاں مخالف کلیسا کے اثر کی حیثیت سے اس نے نشاۃ جدیدہ کے لئے راستہ صاف کر دیا ۔ لیکن نشوونما کا یہ اصل سلسلہ ھی سب سے زیادہ اھم نہیں، اس کی ادھر ادھر پیہم شاخیں پھوٹتی رھی ھیں، اور اس کے نفیس ترین ثمرات ان ذیلی مباحث میں تلاش کرنے چاھیئیں، یعنی مدرسیت یا علم کلام میں، جو مسلمانوں اور یہودیوں اور عیسائیوں میں اس کی تعلیم کا ردّعمل تھا اور قرون وسطی کے طبّی کیمیاوی اور دوسرے حکمی علوم میں، جن کی ترقی زیادہ تر اس کے اثر کی مرھون ہے ۔ موج (تمدن و) ثقافت کی یہ نہایت دل آویز تاریخ ہے، جس کا ھمیں تفصیل کے ساتھ علم ہے "(۱۱۶) ۔

منابع و حواشی

۱ ۔ ملاحظہ ھو ۔ تاریخ فلاسفۃ الاسلام از محمد لطفی جمعہ ، اردو ترجمہ از ڈاکٹر میر ولی الدین ، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ، ۱۳۹۰ ھ/ ۱۹۳۱ء ، ص ۱۵۷۔

۳ ۔ ملاحظہ ھو ۔ دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ، ج ۱ ، دانش گاہ پنجاب لاھور ، طبع دوم ، ۱۹۸۰ء ، ص ۵۲۳ الف ۔

۳۰ ۔ ملاحظہ ھو ۔ تاریخ فلاسفۃ الاسلام ، ص ۱۶۰ ، دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ص ۵۲۳ ب ، تاریخ فلاسفۂ اسلام ، از ٹ ۔ ج ۔ دوبوئر ، اردو ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین ، ترقی بیورو نئی

دھلی ، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۴ء ، ص ۱۳۶ ، ابن رشد و فلسفہ ابن رشد از موسیو ریناں اردو ترجمہ از مولوی معشوق حسین ، دار الطبع جامعہ عثمانیہ ، حیدر آباد دکن ، ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء ، ص ۱۱ (جہاں غلطی سے عیسوی سنۃ ۱۱۹۶ء چھپ گیا ہے) ، فلسفۂ اسلام مصنفہ ڈی او لیری ، اردو ترجمہ از احسان احمد ، نفیس اکیڈمی کراچی ، (سال اشاعت مذکور نہیں) ، ص ۲۱ (جہاں غلطی سے اس کا سال ولادت ۵۲۰ کے بجائے ۵۳۰ چھپ گیا ہے) ۔

۴ ۔ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۵۷ ۔

۵ ۔ ایضاً ، ص ۱۶۰، ابن رشد و فلسفہ ابن رشد ، ص ۱۲ .

۶ ۔ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۶۰ ۔

۷ ۔ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۶۰ ؛ ابن رشد و فلسفہ ابن رشد ، ص ۱۲ ؛ دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) ص ۵۲۳ ب ۔

۸ ۔ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۶۰ ۔

۹ ۔ ابن رشد و فلسفہ ابن رشد ، ص ۱۲ ۔

۱۰ ۔ ایضاً ، ص ۱۲

۱۱ ۔ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۶۰ ۔

۱۲ ۔ ایضاً ؛ ابن رشد و فلسفہ ابن رشد ، ص ۱۲ ۔

۱۳ ۔ ابن رشد و فلسفہ ابن رشد ، ص ۱۲ ۔

۱۴ ۔ ایضاً ، ص ۱۴ ، تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۶۰ ۔

۱۵ ۔ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ، ص ۱۶۰ ۔

۱۶ ۔ ایضاً ، ص ۱۶۲ ، ابن رشد و فلسفہ ابن رشد ، ص ۱۳ ۔

۱۷ ۔ ابن رشد .... ، ص ۱۳ ۔

۱۸ ۔ ایضاً ، ص ۱۴ ، پاورقی ۲؛ تاریخ فلاسفۂ الاسلام ص ۱۶۵ ۔ ۱۶۷ ؛ نیز رسائل عباد الملک ؛ ابن رشد ، اور مقالات شبلی : ابن رشد .

۱۹ ۔ ایضاً ۔ پاورقی ۳ ۔

۲۰ ۔ ایضاً ، ص ۱۴

۲۱ ۔ ایضاً، ص ۱۴ ۔ ۱۵ ، پاورقی ۱ ۔

۲۲ ۔ ایضاً ، ص ۱۸ ۔ ۱۹ ، پاورقی ۱ ۔

۲۲ ۔ ایضاً ، ص ۱۶ ۔ ۱۸ ۔

۲۳ ۔ ایضاً ، ص ۱۸ ۔ ۱۹ پاورقی ۱ ۔

۲۴ ۔ ایضاً ، ص ۱۸ ۔ ۲۰ ، اس کے مختصر حالات زندگی کے لئے ملاحظہ ہو ؛ ابن رشد ... ، ص ۱۹ ، پاورقی ۱ ۔

(جو کتاب کے پاورقی میں صفحات ۲۱ تا ۲۳ پر دیئے گئے ہیں)

۲۵ ۔ ایضاً ، ص ۲۰ ۔ ۲۲ ۔

۲۶ ۔ فلسفۂ اسلام ، ص ۲۰۷ ۔ ۲۰۸ ۔

۲۷ ۔ ایضاً ، ص ۲۰۸ ۔ ۲۰۹ ۔

۲۸ ۔ ایضاً ، ص ۲۰۹ ۔

۲۹ ۔ ایضاً ۔

۳۰ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۲ ۔

۳۱ ۔ فلسفۂ اسلام ، ص ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ ابن طفیل نے اسے ۵۴۸ ھ میں ابو یعقوب سے ملایا جبکہ یوسف ۵۵۶ھ میں اپنے باپ کی موت کے بعد تخت نشین ہوا ۔

۳۲ ۔ ابن رشد ... ص ۲۴ ، پاورقی ۲ (بقیہ حاشیہ ص ۲۳) ماخوذ از مقالات شبلی ۔

۳۳ ۔ ابن رشد ... ، ص ۲۵ ۔

۳۴ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۳ ، ابن طفیل نے ۵۸۱ ھ/ ۱۱۸۵ء میں وفات پائی جبکہ یوسف اس سے ایک سال پہلے ۵۸۰ ھ/ ۱۱۸۴ء میں مرا ہے ۔ لہذا مولف تاریخ فلاسفة الاسلام کا یہ بیان صحیح نہیں ہے ۔

۳۵ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۳ ۔

۳۶ ۔ ابن رشد ... ص ۲۶ ۔ ۲۷ ۔

۳۷ ۔ یوسف نے ۱۱۸۴ء میں وفات پائی لہذا ۱۱۸۹ء صحیح تاریخ نہیں ہے ۔

۳۸ ۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا حاشیہ ۳۴ ۔

۳۹ ۔ ابن رشد ... ، ص ۲۷ ۔ یہ واقعہ ظاہراً ۱۱۶۸ء کا ہے جب ابن رشد کے والد نے وفات پائی جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے ۔

۴۰ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۳ ؛ ابن رشد ... ص ۲۷ ۔ ۲۸ ۔

۴۱ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۴ ، ابن رشد ... ، ص ۲۸ ؛ تاریخ فلسفۂ اسلام ص ۱۳۷ ۔ مؤلف تاریخ فلسفہ اسلام نے اس سے قبل کہا ہے کہ ۱۱۸۲ء میں ابو یعقوب نے اسے اپنا طبیب خاص مقرر کیا ۔ یہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا ہے ، کیونکہ ابن طفیل (متوفی ۱۱۸۵ء) کی زندگی میں ابن رشد کا طبیب خاص مقرر ہونا بظاہر خارج از امکان ہے سوائے اس کے کہ ابن طفیل کی جگہ اسے مقرر کیا گیا ہو ، جس کا تاریخ میں ذکر نہیں، بلکہ ابن طفیل کی موت کے بعد ابن رشد کے شاہی دربار میں طبیب خاص مقرر کئے جانے کی روایت ملتی ہے ۔
عتاب شاہی کے مختلف اسباب کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۳ ۔ ۱۶۴ ، ص ۱۷۶ اور ص ۱۸۹ ۔ ۱۹۵ ؛ ابن رشد ... ، ص ۲۹ ۔ ۳۱ ؛ نیز ص ۳۱ پاورقی ۲ ، قول نواب عماد الملک ۔

۴۲ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۹۴ ؛ ابن رشد ... ، ص ۳۱ اور ص ۳۷ ۔ ۳۶ ۔

۴۳ ۔ ابن رشد ... ، ص ۳۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو اسی صفحہ پر پاورقی ۱ ۔ اس حکم کے عربی متن کے لئے ملاحظہ ہو ابن ابی اصیبعہ (ابوبکر بن زہر کے ذکر کے ذیل میں) جس کے پہلے چند جملے ص ۳۲ ، پاورقی ۱ میں ابن رشد ... میں دیئے گئے ہیں ۔ اس منشور کے مکمل متن کے اردو ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو ؛ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۵ ۔ ابن جبیر نے جو اس موقع پر ابن رشد اور اس کے ساتھیوں کی مذمت اور منصور کی مدح میں اشعار کہے ہیں ، اس کے عربی متن اور اردو ترجمہ کیلئے ملاحظہ ہو ؛ تاریخ فلاسفة الاسلام ص ۱۹۸ ۔ ۱۹۹ ۔ نیز ابن رشد کی مذمت میں کہے ہوئے ابن جبیر کے عربی اشعار کے متن کے لئے ملاحظہ ہو ابن رشد ... ص ۳۴ ، پاورقی ۱ ۔

۴۴ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۴ ، ۱۹۴ ، ۲۰۶ ؛ ابن رشد ... ، ص ۳۴ ۔

۴۵ ۔ ایضاً ، ص ۲۰۶ ، ابن رشد ... ، ص ۳۴ ۔

۴۶ ۔ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۵ ؛ ابن رشد ... ص ۳۵ ۔

۴۷ ـ ابن رشد ... ، ص ۳۵ ؛ دائرہ معارف الاسلامیة (اردو) ، ص ۵۲۴ الف ـ اول الذکر کتاب میں ۱۱۹۸ء کے بجائے ۱۹۱۱ء لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے ـ

۴۸ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۵ ـ

۴۹ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۵ ، ابن رشد .... ، ص ۳۶ ـ

۵۰ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۷ ، ابن رشد ... ص ۳۷ ـ

۵۱ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۱۶۷ ـ

۵۲ ـ ایضاً ، ص ۱۶۹ ـ ۱۷۰ ـ

۵۳ ـ ایضاً ، ص ۱۷۰ ـ

۵۴ ـ ابن رشد .... ، ص ۵۶ ـ

۵۵ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۰۷ ـ ۲۰۸ ـ

۵۶ ـ ایضاً ، ص ۲۰۷ ـ

۵۷ ـ ابن رشد ... ، ص ۷۰ ـ ۸۱ ـ

۵۸ ـ ابن ابی اصیبعه کی کامل فہرست کیلئے ملاحظه هو ابن رشد ... ص ۶۸ ـ ۶۹ ، پاورقی ۲ ـ

۵۹ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۰۸ ؛ ابن رشد ... ، ص ۶۸ ـ ۶۹ .

۶۰ ـ ابن رشد ... ، ص ۵۵ ـ

۶۱ ـ ایضاً ، ص ۵۶ ـ

۶۳ ـ ایضاً ، ص ۸۱ ؛ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۲۰ ـ

۶۳ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۲۰ ـ

۶۴ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام (ص ۲۲۱) میں غلطی سے ۱۸۰۹ء چھپ گیا ہے ـ

۶۵ ـ ابن رشد .... ، ص ۸۶ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام (ص ۲۲۱) میں غلطی سے سترهویں صدی لکھا ہے ـ

۶۶ ـ ابن رشد ... ، ص ۸۶ ؛ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۲۱ ـ

۶۷ ـ ابن رشد ... ، ص ۷۰ ـ ۸۱ ـ

۶۸ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۱۰ ـ ۲۱۳ ـ

۶۹ ـ ایضاً ، ص ۲۰۸ ـ

۷۰ ـ ایضاً ، ص ۲۰۹ ـ ۲۱۰ ـ

۷۱ ـ ابن رشد .... ، ص ۶۶ ـ ۶۸

۷۲ ـ ایضاً ، ص ۶۰ ـ

۷۳ ـ ایضاً ، ص ۶۱ ـ

۷۴ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۲۲ ـ ۲۲۳ ـ

۷۵ ـ ابن رشد ... ، ص ۶۲ ـ

۷۶ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۵۰ ـ

۷۷ ـ ایضاً

۷۸ ـ ایضاً ، ص ۲۱۹ ؛ ابن رشد ... ، ص ۶۵ ـ

۷۹ ـ ایضاً ، ص ۲۲۰ ؛ ابن رشد .... ، ص ۶۶ ـ

۸۰ ـ دائرہ معارف اسلامیه ، ص ۵۲۵ الف ـ

۸۱ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۱۹ ؛ ابن رشد .... ، ص ٦٥ ـ
۸۲ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۱۹ ـ
۸۳ ـ ایضاً ـ
۸۴ ـ ابن رشد ... ، ص ٦٥ ـ
۸۵ ـ تاریخ فلسفه اسلام ، دیباچه (طبع اول) ص ٦ ـ
۸٦ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۲۵ ـ ۲۲٦ ـ
۸۷ ـ تاریخ فلسفة اسلام ، ص ۱۳۹ ـ ۱۴۰ ـ
۸۸ ـ ایضاً ، ص ۱۴۰ ـ ۱۴۱ ـ
۸۹ ـ ایضاً ، ص ۱۴۱ ـ ۱۴۲ ـ
۹۰ ـ ایضاً ، ص ۱۴۲ ـ ۱۴۳ ـ
۹۱ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۴۸ ـ ۲۴۹ ـ
۹۲ ـ تاریخ فلسفة اسلام ، ص ۱۴۳ ـ
۹۳ ـ ایضاً ، ص ۱۴۴ ـ
۹۴ ـ ایضاً ، ص ۱۴۴ ـ ۱۴۵ ـ
۹۵ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۳۰۸ ـ
۹٦ ـ ایضاً ، ص ۲۲۵ ـ
۹۷ ـ ایضاً ، ص ۲۴۴ ـ
۹۸ ـ ابن رشد .... ، ص ۱٦٦ ـ
۹۹ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۷۷ ـ
۱۰۰ ـ ان بیس مسائل کے لئے ملاحظه هو : تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۷۴ ـ ۲۷۵ ـ
۱۰۱ ـ ایضاً ، ص ۲۷۸ ـ
۱۰۲ ـ ایضاً ، ص ۲۸۰ ـ
۱۰۳ ـ ایضاً ، ص ۲۸۲ ـ ۲۸۳ ـ
۱۰۴ ـ ایضاً ، ص ۲۵۱ ـ ۲۵۲ ـ
۱۰۵ ـ ایضاً ، ص ۲۵۲ ـ ۲۵۳ ـ
۱۰٦ ـ ایضاً ص ۲۵۳ ـ
۱۰۷ ـ ایضاً ـ
۱۰۸ ـ ایضاً ، ص ۲۵۳ ـ ۲۵۴ ـ
۱۰۹ ـ ایضاً ، ص ۲۵۵ ـ ۲۵٦ ـ
۱۱۰ ـ تاریخ فلسفة اسلام ، ص ۱۴۳ ـ
۱۱۱ ـ تاریخ فلاسفة الاسلام ، ص ۲۴۰ ـ
۱۱۲ ـ ایضاً ، ص ۲۴۰ ـ ۲۴۱ ـ
۱۱۳ ـ ایضاً ، ص ۲۳۵ ـ
۱۱۴ ـ ایضاً ص ۲۱۵ ـ ۲۱٦ ـ
۱۱۵ ـ تاریخ فلسفة اسلام ، ص ۱۴۵ ـ
۱۱٦ ـ فلسفة اسلام ، ص ۲۴۵ ـ

★★★

محـدث اندلس بقی بن مخلد

پروفیسر محمد سلیم شاہ

نام : بقی بن مخلد بن یزید ، لقب شیخ الاسلام ، کنیت ابـو عبدالرحمن ، الاندلسی القرطبی ـ

تاریخ اور مقام پیدائش : وہ شہر قرطبـہ میـں ۲۱ / رمضـان المبارک ۲۰۱ ھـ میں پیدا ہوئے تھے ـ (۱) بعض روایات کے مطابق ان کی پیدائش مندرجہ بالا تاریخ سے دو سال قبل ہوئی تھی ، وہ اندلس کے سنہری دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں اندلس عباسی دربار سے آزاد ریاست تھی اور اس کے چپے چپے سے علم و ہنر کے چشمے پھوٹتے تھے (۲)ـ

بقی عالم طفولت میں تھے کہ اندلس اور بغداد کے درمیان علمی ثقافتی اور تجارتی رابطے شروع ہو چکے تھے ، اور بغداد کے تاجروں نے اندلس کا رخ کر لیا تھا ، وہ اپنے سامان تجارت کے ساتھـ اپنے اطوار و عادات اور تہذیب و ثقافت بھی لے جاتے تھے ، دوسری طرف اندلس سے تشنہ گان علوم و روایات کے لئے مشرق کے دروازے کھلے تھے ـ وہ اپنی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے بغداد، بصرہ، کوفہ، ہمدان، یمن اور حرمین کا رخ کرتے تھے (۳)ـ

ابتدائی تعلیم : بقی بن مخلد نے ابتدائی تعلیم قرطبہ ہی میں حـاصل کی تھی ـ وہاں کے مشہور فقیہ اور محدث محمد بن عیسی المعافری کی خدمت میں رہے اور اکتساب علم کیا ، یہ قرطبہ کے

چوٹی کے علماء میں سے تھے ، روایت و آثار کے عالم تھے ۔ انھوں نے طلب علم کے لئے حجاز اور عراق کا سفر کیا تھا (۴)۔

اسفار علمیہ : سر زمین اندلس کے علماء سے استفادہ کرنے کے بعد وہ مشرق اسلامی کے سفر پر نکلے ، یہاں پر علماء حرمین ، مصر ، شام ، جزیرہ ، حلوان ، بصرہ ، کوفہ ، واسط ، خراسان ، عدن اور قیروان سے استفادہ کیا امام ذہبی کی رائے یہ ہے کہ اُن کیلئے خراسان و ہمدان جانا ممکن نہیں ہوا ، نیز جزیرہ اور یمن میں آمد بھی محل نظر ہے (۵) لیکن امام ذہبی نے جس رائے کا اظہار کیا اس کے لیئے کوئی حوالہ نہیں دیا ۔

بہرحال مشرق میں بقی بن مخلد شہر شہر اور گاؤں گاؤں کا چکر لگا کر علماء حدیث سے روایات لیتے تھے ، اور حج کے موسم میں حرمین الشرفین میں ٹھہرتے تھے ، اس طرح دنیا کے مختلف کونوں سے آئے ہوئے علماء دین سے روایت و درایت کے علوم کا فیض حاصل کرتے تھے ۔ (۶) ان اسفار میں وہ بڑے بڑے مشائخ سے استفادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بعض مؤلفین سے ان کی تالیفات کی اجازت براہ راست حاصل کی ، بصرہ میں مشہور محدث اور مورخ خلیفة بن الخیاط العصفری (ت ۲۴۰) سے ان کی کتب ، الطبقات اور التاریخ کی اجازت لی ۔ کوفہ میں ابوبکر بن ابی شیبہ سے اس کی معرکۃ الاراء کتاب ,,مصنف،، کی اجازت حاصل کی (۷)۔

اسی زمانے میں آپ نے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضری کا شرف بھی حاصل کیا ۔ حاضری سے متعلق درج ذیل روایت قارئین کیلئے یقیناً دلچسپی کا سبب بنے گی ۔

عبدالرحمن بن احمد بن بقی بن مخلد نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے اپنے دادا بقی بن مخلد سے سنا ہے کہ :

میں نے مکہ سے بغداد کا سفر کیا تاکہ امام احمد بن حنبل سے ملاقات کر لوں ، جب میں بغداد کے قریب پہونچا تو معلوم ہوا کہ امام صاحب اس وقت سخت امتحان اور آزمائش میں ہیں ، اور کسی کو ان سے ملاقات کی اجازت نہیں ، اس بات کا مجھے بےحد صدمہ ہوا۔ جب بغداد میں داخل ہوا وہاں ایک سرائے میں کرائے پر جگہ لے لی، اور پھر جامع مسجد چلا گیا ، تاکہ لوگوں سے مل بیٹھوں ، میں ایک حلقۂ علمی میں چلا گیا ، دیکھا کہ ایک آدمی رجال کے بارے میں درس دے رہا ہے ، جب کسی نے بتایا کہ یہ یحیی بن معین ہیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی ... میں نے عرض کیا کہ آپ احمد بن حنبل کے بارے میں فرمائیں کہ وہ کس پایہ کے آدمی ہیں اُنہوں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور کہا : کہ ہم جیسے لوگ ,,احمد بن حنبل،، کے بارے میں کیا کہیں ؟ وہ تو امام المسلمین ہیں!وہ تو اس وقت کے مسلمانوں میں بہتر اور افضل شخصیت ہیں ، میں وہاں سے سیدھا احمد بن حنبل کے مکان کی تلاش میں نکل گیا پتہ معلوم ہوا تو جا کر دروازے پر دستک دی ، امام صاحب نکل آئے تو میں نے عرض کیا : ابو عبداللہ!میں بہت دور سے آیا ہوں اور اس ملک میں یہ میری پہلی آمد ہے ، میں آپ سے حدیث و سنت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے آپ کے ہاں حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مہمان خانے کے اندر آ جائیے لیکن خیال رکھو کہ کوئی آپ کو دیکھ نہ لے۔ جب میں اندر گیا تو امام صاحب نے پوچھا : آپ کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے جواب دیا ، مغرب اقصیٰ سے۔ انہوں نے کہا : افریقہ سے ؟ میں نے کہا میرا ملک اندلس ہے۔ سمندر پار کر کے پھر ہم افریقہ میں داخل ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا ، کہ یقیناً آپ بہت دور سے آئے ہیں ، اور آپ جیسے آدمی کے کام سے مجھے زیادہ کوئی کام پسند نہیں۔ لیکن آج

کل میں ایک امتحان میں ہوں۔ شاید آپ کو اس کا علم ہو چکا ہو گا ، میں نے کہا ہاں مجھے معلوم ہوا ہے ، البتہ یہاں پر چونکہ میں نووارد ہوں اور شخصی طور پر کوئی مجھے جانتا نہیں ، اگر آپ اجازت دیں تو میں روزانہ سائل کی حیثیت سے آؤں گا اور اسی کی طرح آپ کے گھر کے سامنے آواز لگاؤں گا ، اس طرح باھر تشریف لانے پر اگر آپ مجھے روزانہ ایک حدیث بھی پڑھاتے رھینگے تو میرے لئے کافی ہو گا ۔ امام صاحب نے کہا ، بالکل ٹھیک ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کسی کو بتائیں گے نہیں میں نے کہا یہ شرط مجھے بالکل منظور ہے۔ میں روزانہ چھڑی لیکر ایک میلا کپڑا سر پر باندھتا اور امام صاحب کے دروازے پر آ کر زور سے چیختا ,,الاجر رحمک اللہ ،، جو اس وقت کے سائلوں کا نعرہ ہوتا تھا ۔ وہ نکلتے اور مجھے دو تین حدیثیں یا اس سے زیادہ سناتے ۔ میں نے اس طریقہ کی پابندی کی حتیٰ کہ امام صاحب پر پابندی لگانے والے شخص کا انتقال ہو گیا (۸)۔

امام ذھبی نے اس واقعہ کو نقل کر کے اس کو بے اصل قرار دیا ہے۔

اس کے لئے انھوں نے ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ بقی بن مخلد امام احمد کے پاس ۲۳۰ ھ کے بعد آئے ھیں جبکہ امام احمد بن حنبل سے (۲۲۸ ھ) احادیث کا سلسلہ قطع ہو گیا تھا اور واثق کی موت اور متوکل کی خلافت کے بعد (۲۳۲ ھ) امام احمد نے روایت حدیث خود ترک کر دی تھی اور اس پر آخر تک ڈٹے رھے تھے ۔ اس کے بعد صرف اسماء الرجال اور فقہ کو موضوع بحث بنایا تھا ۔

دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر بقی بن مخلد امام احمد بن حنبل سے تین سو احادیث سن چکے ہوتے (جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تحدید موجود ہے) تو اپنی مسند میں اس کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کرتے جبکہ میرے پاس مسند بقی کی جو دو جزء موجود ھیں ان میں امام احمد سے ایک روایت بھی نہیں ہے ۔ (۹)

امام ذہبی کے اس اعتراض کا مشہور محدث دکتور اکرم ضیاء عمری نے ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ اعتراض بالکل کمزور اور ناقابل اعتماد ہے ، لکھتے ھیں :

اس روایت کی سند نہایت درجہ قوی ہے اس کو عبدالرحمن نے اپنے والد احمد اور اس نے اپنے والد بقی سے نقل کیا ہے۔ عبدالرحمن بن احمد ثقہ اور ضابط ھیں ، اپنے لکھنے پر اعتماد کرتے تھے ۔ اور اس کے والد احمد بن بقی تو قرطبہ کے ممتاز عابد اور زاھد قاضی تھے وہ اپنے والد بقی بن مخلد کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتے تھے ، اس لئے سند کے اعتبار سے یہ واقعہ قوی اور قابل اعتماد ہے۔

امام ذہبی کا دوسرا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ بقی بن مخلد کی ملاقات امام احمد بن حنبل سے اس زمانے میں ہوئی جب امام صاحب نے خود روایات کرنا ترک کر دیا تھا ، اس بات کے لئے علامہ ذہبی نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ، نہ تاریخ میں ایسی کوئی حجت ہے جس سے امام ذہبی کی اس بات کا اشارہ ملتا ہو، بلکہ یہ بات تو معلوم اور مسلم ہے کہ بقی بن مخلد کوفہ میں ۲۲۷ ھ میں آئے تھے ۔ تو کیا کوفہ میں رہتے ہوئے وہ امام احمد کی ملاقات کے لئے نہیں گئے ہونگے ؟ بہت ممکن ہے کہ واثق باللہ کی وفات جو ۲۲۷ھ میں ہوئی ہے سے قبل دونوں کی ملاقات ہو چکی ہو ۔ البتہ جس روایت میں ہے کہ ,,حتی کہ ابتلاء میں ڈالنے والا شخص وفات پا گیا ،، تو خطیب کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واثق باللہ نے خود بھی عقیدہ اعتزال سے رجوع کر کے اھل سنت کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔
(تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۵۰)

مسند بقی میں امام احمد کی روایت نہ ہونے کی دلیل بھی اتنی قوی نہیں ہے کیونکہ امام ذہبی نے تو اس کے دو اجزاء کا ذکر کیا ہے کہ اُن میں احمد بن حنبل کی روایت نہیں ، صرف دو اجزاء سے

پوری کتاب کے بارے میں رائے قائم کرنے میں کوئی وزن نہیں ہے واللہ اعلم (۱۰)۔

اندلس کو واپسی :

حجاز و بغداد کے منابع علم سے سیراب ہونے کے بعد ۲۴۴ھ میں واپس اندلس پہنچے اس سفر میں اُنھوں نے روایت درایت کے ایسے ذخیرے جمع کئے جن کی اجازت مصنفین سے براہ راست حاصل کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اندلس میں ہر طرف مذہب مالکی کی سیادت و قیادت تھی اور ملک کے تمام قابل ذکر علماء اس فقہی مسلک سے تعلق رکھتے تھے ، اندلس میں مذہب مالکی امام مالک کے چند شاگردوں کے ذریعے پھیل گیا تھا ۔ جنھوں نے مدینہ منورہ میں براہ راست امام مالک سے علم حاصل کر لیا تھا ۔

جب بقی بن مخلد اندلس میں واپس آ گئے اور اپنی خداداد صلاحیت اور قابل اعتماد علم کی روشنی میں انھوں نے روایات کے مطابق فتویٰ دینا شروع کر دیا اور حدیث کی ایسی نئی کتابیں ساتھ لے آئے جو اب تک علماء اندلس کے درمیان معروف نہیں تھی ۔ تو اس بات پر اندلس کے علماء ومشائخ کے درمیان ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہ بات اس وقت کے حاکم امیر محمد بن عبدالرحمن بن الحکم تک پہنچ گئی۔اُس نے معترضین اور بقی بن مخلد کو یکجا بٹھا کر بقی کے پاس موجود تالیفات کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد نہ یہ کہ اُسے سراہا بلکہ اُن کی افادیت کے پیش نظر حکم دیا کہ ان کی نقول شاہی کتب خانے میں رکھی جائیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس نے بقی کو علوم کی نشرواشاعت کی اجازت بھی دی امیر نے کہا !

,,انشر علمک وارو ما عند ک واجلس للناس ینتفعوابک ،، ۔

(اپنے علم کو پھیلاؤ جو علم آپ کے پاس ہے اس کی روایت کرتے رہو اور لوگوں کے لئے بیٹھتے رہو تاکہ وہ آپ کے علم سے نفع حاصل کریں ۔ (۱۱) ۔

وفات : بقی بنی مخلد کی وفات بروز سہ شنبہ ۲۷ یا ۲۸ جمادی الاخیر ۲۷۶ ھ میں قرطبہ میں ہوئی ۔ ان کی نماز جنازہ ان کے داماد محمد بن یزید نے پڑھائی اور مقبرہ بنی عباس میں ان کی تدفین ہوئی ۔ (۱۲)

تقوی اور علمی مرتبہ :

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ بقی بن مخلد نیک اور متقی شخص تھے ۔ کثیر الصیام تھے ، اور گوشہ نشین تھے ۔ ان امور میں اپنے زمانے میں بےنظیر تھے اور اپنے شہر میں منفرد (۱۳) ۔ حمیدی نے کہا ہے کہ وہ حفاظ حدیث ، ائمہ دین اور زھاد و صالحین میں سے تھے ۔ (۱۴) ورع اور تقویٰ میں ان کا یہ حال تھا کہ انھوں نے ,,قضا،، کو کبھی قبول نہیں کیا ، حالانکہ کئی بار امراء اندلس نے پیشکش کی تھی ۔ اور جب آخر میں ان کے ایک نہایت قدر دان امیر منذر ابن عبدالرحمن نے بےحد اصرار کیا تو انھوں نے ایک دوسرے عالم عامر بن معاویہ کا نام بتا دیا اور اس طرح اپنا دامن قضا سے بچا لیا ۔ (۱۵)

اساتذہ اور مشائخ :

جن مشائخ سے بقی بن مخلد کی ملاقات ہوئی ہے اور ان سے باقاعدہ استفادہ کیا ہے ان کی تعداد دو سو چوراسی ہے ، کتب التراجم میں جن کا ذکر ہے وہ مندرجہ ذیل ہے : (۱) ابراھیم بن خالد الکلبی متوفی ۲۴۰ھ ۔ (۲)ابراھیم بن محمد الشافعی متوفی ۲۳۸ھ ۔ (۳)ابراھیم بن منذر الحزامی حجازی متوفی ۲۳۶ھ (۴)ابراھیم بن ھشام الغسانی دمشق میں ۔ (۵) احمد بن ابراھیم الدورقی متوفی ۲۴۶ھ

(٦) احمد بن عبدالله بن میمون متوفی ۲۴٦ هـ ـ (۷) احمد بن عمرو بن السرح ابو الطاهر متوفی ۲۵۵ هـ ـ (۸) احمد بن محمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ هـ ـ (۹) اسحاق بن سعید بن الازکون ـ (۱۰)اسماعیل بن عبیدالحرانی متوفی ۲۴۰هـ (۱۱) بکار بن عبدالله‌بن بشر دمشق میں ـ (۱۲) حبارة بن مغلس الحمانی متوفی ۲۴۱ هـ ـ (۱۳) حارث بن مسکین متوفی ۲۵۰هـ ـ (۱۴) حرملة بن یحیی التجیبی المصری متوفی ۲۴۳هـ ـ (۱۵) داؤد بن رشید الهاشمی الخوارزمی نزیل بغداد ـ (۱٦) زهیر بن حارث (۱۷) زهیر بن حرب ابو خیثمه النسائی متوفی ۲۳۴هـ (۱۸) زهیر بن عباد الرؤاسی ـ (۱۹) سحنون بن سعید الفقیه متوفی ۲۴۰ هـ ـ(۲۰) سلمة بن شبیب المسمعی النیسابوری متوفی ۲۴۰هـ کے بعد ـ (۲۱) سوید بن سعد الانباری متوفی ۲۴۰ هـ ـ (۲۲) شیبان بن فروخ الحبطی متوفی ۲۳٦هـ ـ (۲۳) صفران بن صالح الدمشقی متوفی-۲۳۸ هـ ـ (۲۴)عباس بن عثمان المودب الدمشقی متوفی ۲۳۸ھ(۲۵) عباس بن الولید الخلال الدمشقی متوفی ۲۴۸هـ ـ (۲٦) عبدالرحمن بن ابراهیم رحیم متوفی ۲۴۵هـ ـ (۲۷) عبدالله بن احمد بن ذکوان ـ (۲۸) ابوبکر عبدالله بن محمد بن ابی شیبه متوفی ۲۳۵هـ کوفه میں ـ (۲۹) عبیدالله بن عمر القواریری البصری متوفی ۲۳۵هـ ـ (۳۰) عثمان بن محمد بن ابراهیم بن ابی شیبه متوفی ۲۳۹هـ ـ (۳۱) عمرو بن علی الفلاس متوفی ۲۴۹ هـ ـ (۳۲) عون بن یونس افریقه میں (۳۳) عیسی ابن حماد زغبة متوفی ۲۴۸هـ (۳۴) القاسم بن عثمان الجوعی الدمشقی (۳۵) کثیر بن عبید المذلجی متوفی ۲۵۰هـ ـ (۳٦) محمد بن ابان الواسطی متوفی ۲۳۸هـ ـ (۳۷) محمد بن بشار بندار متوفی ۲۵۵هـ (۳۸) محمد بن ابی بکر المقدمی متوفی ۲۳۴هـ (۳۹) محمد بن رمح

بن المهاجر التجیبی المصری متوفی ۲۴۲هـ (۴۰) محمد بن عبدالله بن نمیر متوفی ۲۳۴هـ (۴۱) محمد بن عبید ابن حساب متوفی ۲۳۸هـ (۴۲) محمد بن العلاء الکوفی ابو کریب متوفی ۲۴۷ هـ ـ (۴۳) محمد بن عیسی الاعشی متوفی ۲۲۱ هـ (۴۴) محمد بن المثنی الزمن ابو موسی متوفی ۲۵۲ هـ (۴۵) محمد بن مصطفی الحمصی (۴۶) محمد بن یحیی بن ابی عمر العدنی متوفی ۲۴۳هـ (۴۷) محمود بن خالد السلمی الدمشقی متوفی ۲۴۷هـ (۴۸) ابو مصعب الزهری الحجازی (۴۹) منجاب بن الحارث التمیمی الکوفی متوفی ۲۳۱هـ (۵۰) هارون بن عبدالله الحمال متوفی ۲۴۳هـ (۵۱) هدبة بن الخالد القیسی البصری متوفی بعد ۲۳۰هـ (۵۲) هریم بن عبدالاعلی الاسدی البصری متوفی ۲۳۵هـ (۵۳) هشام بن خالد الازرق الدمشقی متوفی ۲۴۹هـ (۵۴) هشام بن عبدالملک البزنی الحصی متوفی ۲۵۱هـ (۵۵) هشام بن عمار الدمشقی متوفی ۲۴۵هـ (۵۶) هناد بن السری الکوفی متوفی ۲۴۳هـ (۵۷) الولید بن عتبه الاشجعی الدمشقی متوفی ۲۴۰هـ (۵۸) یحیی بن بشر الحریری الکوفی متوفی ۲۲۷ هـ (۵۹) یحیی بن عبدالحمید الحمانی متوفی ۲۲۷ هـ (۶۰) یحیی بن عبدالله بن بکیر المصری متوفی ۲۲۸ هـ (۶۱) یحیی بن یحیی اللیثی القرطبی (۶۲) یعقوب بن حمید بن کاسب المدنی نزیل مکة متوفی ۲۴۰ هـ (۱۶) ـ

تلامذہ :

کتب تراجم میں ان کے تلامذہ کا نام تفصیل کے ساتھ موجود نہیں ، ان کے تبحر علمی کا چرچا پورے اندلس کے ساتھ حجاز اور بغداد میں بھی ہو چکا تھا ـ ان کے ایک ساتھی احمد بن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ ہم نے ان کا نام مکنسة (جھاڑو) رکھا تھا کہ جہاں پر بقی

بن مخلد ہوتے تھے تشنہ گان علم کو اپنی طرف کھینچ لیتے کوئی کسی دوسرے درس میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا ۔ ایک معاصر عالم کی یہ شہادت کتنی وزنی ہے۔ اس سے بہ آسانی اندازہ ہوتا ہے کہ بقی بن مخلد سے استفادہ کرنے والے تشنہ گان علم کی تعداد کیا ہو گی ؟ اہل مشرق کا بقی بن مخلد سے استفادے کا بہت کم ذکر ملتا ہے ، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جب تک بقی بن مخلد مشرق میں تھے اس وقت ان کے اساتذہ و مشائخ زنـــدہ تھے جن سے لوگ مسلسل استفادہ کرتے رہتے تھے ۔ اور جس وقت ان کے مشائخ دنیا میں نہیں رہے تو وہ واپس اندلس جا چکے تھے ۔ مصر و افریقہ میں بھی (قلیل تعداد میں) طالبان علوم نبوت نے ان سے استفادہ کیا ہے بقی بن مخلد کے اپنے الفاظ ملاحظہ کیجئے :

,,لما قدمت من العراق علی یحیی بن بکیر اجلسنی الی جنبہ وسمع منی سبعة احادیث،،(۱۷) جب میں عراق سے آیا تو یحیی بن بکیر نے اپنے ساتھ بٹھا لیا اور سات احادیث مجھ سے سنیں نیز کہتے ہیں :

قدمت علی سحنون ، فکان ابنه محمد یسمع علی فی داخل بیت سحنون بمحضر من سحنون ،، ۔ (۱۸) میں سحنون کے پاس آیا تو اس کے گھر پر اس کا بیٹا سحنون کی موجودگی میں مجھ سے احادیث سنتا تھا ، ان کے شاگردوں میں مندرجہ ذیل مشائخ کا نام ملتا ہے ۔ (۱) احمد بن بقی بن مخلد (۲) احمد بن خالد بن یزید (۳) احمد بن عبداللہ بن محمد بن المبارک الاموی ابو القاســم (۴) اسلمہ بن عبدالعزیز بن ہشام القاضی (۵) ایوب بن سلیمان المری (٦) حسن بن سعد بن ادریس البربری (۷) عبـداللہ بـن یونـس المـرادی (۸)عبدالواحد بن حمـدون (۹)علـی بن عبدالقـادر بن ابـی شیبـہ الاندلسی (۱۰) محمد بن عمر بن لبابہ (۱۱) محـمد بن قـاسم بن

محمد (۱۲)محمد بن وزیر (۱۳)مروان بن عبدالملک القیسی، (۱۴)مہاجر بن عبدالرحمن (۱۵) نمر بن ہارون بن رفاعہ العبسی (۱۶)ہشام بن الولید الغافقی ۔ (۱۹)

تالیفات :

امام بقی بن مخلد کی قابل قدر تصنیفات و تالیفات کے نام اور اوصاف تو آج دیگر کتب میں ملتے ہیں مگر وہ حقیقی سرمایہ آج ہمارے پاس موجود نہیں ، قیاس کیا جاتا ہے کہ مسیحیت کے سیلاب نے جہاں اندلس پر اور تباہی مچائی وہاں یہ علمی ذخیرہ بھی اُسی کی نذر ہو گیا ۔

معروف کتب درج ذیل ہیں ۔

التفسیر الکبیر :

علمی حلقوں میں اس تفسیر کا بہت چرچا تھا ، یہ ایک بے مثال تفسیر سمجھی جاتی تھی ، مشہور ظاہری عالم علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ میں قطعی طور پر بلا استثناء کہتا ہوں کہ اسلام میں ایسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی ہے حتی کہ ابن جریر کی تفسیر بھی اس کے پائے کی نہیں ۔ (۲۰)

مسند بقی بن مخلد :

علماء حدیث کے حلقوں میں اس کتاب کا اچھا خاصا تذکرہ ہوتا رہتا ہے ۔ یہ مسند اسماء صحابہ کی ترتیب سے ہے ۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس میں اس نے ایک ہزار تین سو سے کچھ زائد صحابہ کی روایات درج کی ہیں ۔ اس کے ساتھ انہوں نے فقہی ترتیب کا بھی خیال رکھا ہے ۔ یہ بہ یک وقت مسند اور مصنف ہے ، اس سے قبل کسی نے اس نہج پر احادیث کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا ہے ، اس پر اس کا ثقہ ، ضبط و اتقان اور جودت شیوخ بالا ہے ۔ اُنہوں نے

دو سو چوراسی مشائخ سے روایات کی ھیں جن میں دس تک بھی ضعفاء نہیں ھیں ۔ باقی سب مشہور علماء ھیں ۔ (۲۱)۔ ابن الفرضی نے تو لکھا ,,لیس لاحد مثلہ،، ایسی مسند کسی کی بھی نہیں ہے ۔ (۲۲)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن حزم نے مسند بقی کو مسند احمد پر فوقیت دی ہے لیکن میرے (ابن کثیر) نزدیک یہ بات محل نظر ہے کہ مسند احمد کا رتبہ بے شک اونچا ہے ۔

ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے لکھا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ ابن کثیر نے یہ قطعی فیصلہ کیسے کیا ہے ، جب کہ اس نے مسند بقی بن مخلد کو دیکھنے کا کوئی عندیہ نہیں دیا ہے (۲۳)۔ بہرحال امام احمد بن حنبل بقی بن مخلد کے استاد ھیں جن کی استادی پر بقی فخر کرتے ھیں ، اس لئے اگر ان کی مسند کے برابر بقی کی مسند نہیں ہے تو استاد اور شاگرد میں جو فرق ھوتا ہے وہ سب پر ظاھر ہے ، تاھم ابن حزم جیسے عالم حدیث کی یہ رائے مسند بقی کی عظمت پر بہت بڑی حجت ہے ۔

مسند بقی بن مخلد کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ مشرق کے چند اکابر علماء حدیث ان سے واقف ھو چکے تھے ، امام ذھبی نے تو صاف لکھا ہے کہ میرے پاس مسند بقی کے دو جزء موجود ھیں ، نیز حافظ ابن حجر کے ذخیرہ کتب میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے حافظ کے پاس مسند بقی کا ایک نسخہ موجود تھا (۲۴)۔

دور حاضر میں کسی نے یہ دعوی نہیں کیا ہے کہ اس نے مسند بقی بن مخلد کا کوئی نسخہ دیکھا ہے ۔ ھندوستان کے ایک معروف عالم دین صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا ہے کہ اس کا ایک نسخہ جرمن کے کتب خانے میں موجود ہے ، باقی تفصیل انھوں نے ذکر نہیں

کی ، عصر حاضر کے مشہور محقق حدیث ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری لکھتے ھیں :

,,میں نے برلن،کوتہ اور لائبزک کے کتب خانے چھان لئے لیکن مجھے مسند بقی بن مخلد کی کوئی نشانی نہیں ملی تاھم برلن کے کتب خانے میں عربی مخطوطات کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے، جس کی فہرست ابھی نہیں بنی ہے۔ اسی طرح مشرقی برلن کے کتب خانے کے قلمی نسخوں کی فہرستیں ابھی نہیں بنی ھیں ابھی تک یہ امیدیں وابستہ ضرور ھیں کہ کسی شخص یا عام کتب خانے میں جن میں برلن مغرب اور ترکی کے کتب‌خانے شامل ھیں اس کا کوئی نسخہ دریافت ھو جائے گا ۔ (۲۵)

۳ ۔ **مصنف فی فتاوی الصحابہ و التابعین و من دونہم** : یہ مصنف جیسا کہ اس کے نام سے ظاھر ہے صحابہ تابعین وتبع تابعین کے فتاوی و اقوال کا مجموعہ ہے۔ اس کے بارے میں بھی علامہ ابن حزم نے لکھا ہے ,,اربی فیہ علی مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ (۲۶) ،، اس میں وہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے بڑھکر ہے۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے۔

۴ ۔ **ما روی فی حوض الکوثر** : یہ کتاب بھی نایاب ہے۔

۵ ۔ **عدد مالکل من الصحابۃ من الحدیث** : اس عنوان سے بقی بنی مخلد کی ایک مستقل تالیف ہے۔ اس کو اندلس کے مشہور عالم ابن حزم الظاھری نے ترتیب دیا ، بقی بن مخلد نے ھر صحابی کی روایات کی تعداد بتائی ہے اور ابن حزم نے اس کو یکجا کر دیا ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے اب بھی بعض کتب خانوں میں موجود ھیں۔ ایک نسخہ شام کے مکتبہ ظاھریہ میں ہے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے اس نسخے کی فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے اسے شائع کر دیا ہے ، اس

میں ان صحابہ کرام کے نام درج ھیں۔ جن سے ھزاروں روایات سے لیکر ایک روایت تک مروی ھیں۔ ذیل میں ھم اس نسخے کا خلاصہ درج کرتے ھیں۔

روایات کی تعداد	صحابہ کی تعداد
۱۔ ھزاروں روایات (یعنی دو ھزار سے اوپر)	چار
۲۔ ایک ھزار (یعنی دو ھزار سے کم)	تین
۳۔ سینکڑوں والے (یعنی دو سو سے اوپر)	دس
۴۔ ایک سو سے اوپر دو سو سے کم	اکیس
۵۔ دھائیوں والے یعنی بیس سے اوپر سو سے کم	اکانوے
٦۔ انیس روایات	دو
۷۔ اٹھارہ روایات	چھ
۸۔ سترہ روایات	تین
۹۔ سولہ روایات	تین
۱۰۔ پندرہ روایات	چار
۱۱۔ چودہ روایات	گیارہ
۱۲۔ تیرہ روایات	سات
۱۳۔ بارہ روایات	نو
۱۴۔ گیارہ روایات	نو
۱۵۔ دس روایات	چودہ
۱٦۔ نو روایات	بارہ
۱۷۔ آٹھ روایات	اٹھارہ
۱۸۔ سات روایات	اٹھائیس
۱۹۔ چھ روایات	ستائیس
۲۰۔ پانچ روایات	اٹھائیس

۲۱ ـ چار روایات ترپن

۲۲ ـ تین روایات بہتر

۲۳ ـ دو روایات ایکسو بیس

۲۴ ـ ایک روایت چار سو اٹھاون

اس نسخہ میں ان تمام صحابہ کرام کے نام ھیں جن سے ، مسند بقی بن مخلد میں روایات منقول ھیں اور ان کی روایات کی تعداد بھی موجود ہے ۔ (۲۷)

علماء کے تعریفی کلمات :

مغرب اور مشرق کے لاتعداد علماء نے بقی بن مخلد کو اپنے وقت کا عظیم عالم اور محدث قرار دیا تھا ، علامہ ابن حزم الظاھری الاندلسی نے کہا ہے :

اس امام فاضل کی تالیفات بے نظیر ھیں ــ (۲۸)

امام ذھبی نے لکھا ہے :

اُن کی مسند اور تفسیر کی کوئی نظیر نہیں ۔ (۲۹)

حمیدی نے لکھا ہے ۔

اُنھوں نے بڑی بڑی مصنفات لکھیں اور روایات جمع کرنے میں بے حد کوشش کی ، اور جب اندلس کو لوٹے تو اُنھوں نے اسکو علم سے بھر دیا ، اور ایسی کتابیں تصنیف کیں جو انکی علمی عظمت اور کثرت معلومات کا بیّن ثبوت ہے (۳۰) ۔ ابن الفرضی کہتے ھیں :

انھوں نے اندلس کو احادیث و روایات سے بھر دیا ۔ (۳۱)

جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے :

وہ علم کا سمندر تھا (۳۲)

بقی بنی مخلد کی اولاد و احفاد :

اس یگانہ روزگار محدث کی اولاد کئی صدیوں تک روایات و درایت فقہ و فتوی اور دیگرعلوم میں اھل اندلس کیلئے مرجع رھی ۔

بقی بن مخلد کے اپنے صلبی بیٹے احمد بن بقی ایک متقی و پرہیزگار عالم دین تھے ۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے تھے اور مسند علم پر اُن کے قائمقام تھے ۔ وہ قرطبہ کی قضاء پر بھی فائز رہے ۔ جس کے دوران انہوں نے عدل و انصاف کے ساتھ ورع و تقوی کی ایک مثال قائم کی ۔

احمد کے بیٹے عبدالرحمن بن احمد بن بقی بن مخلد اپنے عصر کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے ۔ انہوں نے اپنے دادا بقی بن مخلد کے مناقب میں ایک کتاب لکھی ۔

عبدالرحمن کے بیٹے مخلد بن عبدالرحمن بن احمد بن بقی بن مخلد (پیدائش ۳۳۲ وفات ۴۰۸ ھ) بھی اندلس کے معروف علماء میں شامل تھے ۔

مخلد کے بیٹے عبدالرحمن بن مخلد بن عبدالرحمن بن احمد بن بقی بن مخلد (۳۵۸ ۔ ۴۳۷ھ) بہت اونچے پائے کے عالم محدث اور فقیہ تھے ۔ وہ دو مرتبہ طلیطلہ کے قاضی مقرر ہوئے تھے ۔

انہی کی اولاد میں محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمن بن بقی مخلد (۳۹۷ ۔ ۴۷۰ھ) اپنے دور کے سب سے اونچے عالم تھے ۔ انہوں نے اپنے والد احمد بن مخلد اور چچا ابو الحسن عبدالرحمن سے علم روایت اور فقہ کی تعلیم حاصل کی وہ قرطبہ کے منصب قضاء پر دو مرتبہ فائز ہو چکے تھے ۔ (۳۳)

ان کے اولاد الاولاد میں ابو القاسم احمد بن یزید بن عبدالرحمن بن احمد بن محمد بن احمد بن مخلد بن عبدالرحمن بن احمد بن بقی بن مخلد ، اپنے دور کے واحد مشہور محدث تھے ۔ وہ ۶۲۰ ھ میں قرطبہ میں موطا کا درس دیا کرتے تھے ۔ موطا مالک میں ان کے تمام مشائخ قرطبین تھے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی نویں پشت

کے دادا بقی بن مخلد کے حجرے ھی میں بیٹھ کر درس و تدریس کرتے تھے ۔ علماء کی تاریخ میں علم و فضل میں ایسا تسلسل شاذ و نادر ھی کسی خاندان کو نصیب ھوا ھو گا ۔

حوالہ جات

۱ ۔ ذھبی ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ ، ص ۲۸۵ ۔
۲ ۔ ابن الفرضی ابو الولید عبداللہ بن محمد بن یوسف الازدی الحافظ ، تاریخ علماء الاندلس جلد ۲ ص ۹۲ ، ۹۳ ۔
۳ ۔ اکرم ضیاء العمری ، بقی بن مخلد و مقدمہ مسندہ ، ص ۳۶
۴ ۔ ابن الفرضی ، تاریخ علماء الاندلس جلد ۲ ، ص ۹۲ ، ۹۳ ۔
۵ ۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ ، ص ۲۸۹ ۔
۶ ۔ تاریخ علماء الاندلس جلد ۲ ، ص ۹۲ ۔
۷ ۔ العمری ، اکرم ضیاء ، بقی بن مخلد ومقدمہ مسندہ ص ۳۷ بحوالہ ابن عساکر ۔
۸ ۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ ، ص ۲۹۳ ۔
۹ ۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۱۳ ، ص ۱۹۳
۱۰ ۔ بقی بن مخلد و مقدمہ مسندہ ، ص ۳۹ ۔
۱۱ ۔ ذھبی تذکرہ الحفاظ ، ج ۲ ، ص ۶۳۰ ۔
۱۲ ۔ تاریخ علماء الاندلس ، ج ۲ ص ۹۳ ۔
۱۳ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ، ص ۲۸۹ ۔
۱۴ ۔ جزوۃ المقتبس ص ۱۷۷ ۔
۱۵ ۔ بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ ، ص ۵۹
۱۶ ۔ بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ ص ۳۴ ، ۳۵
۱۷ ۔ یاقوت الحموی ، معجم الادباء جلد ۳ ، ص ۸۳ ۔
۱۸ ۔ تاریخ علماء الاندلس ، ص ۹۲ ۔
۱۹ ۔ ایضاً ، ص ۹۲ ۔
۲۰ ۔ بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ ص ۳۶ ، ۳۷ ۔
۲۱ ۔ الحمیدی ، ابو عبداللہ محمد بن أبی نصر فتوح بن عبداللہ الازدی جذوۃ المقتبس ، ص ۱۷۷ ۔
۲۲ ۔ ایضاً ، نیز دیکھئے شذرات الذھب ج ۲ ، ص ۱۲۹ ۔
۲۳ ۔ تاریخ علماء الاندلس : ۹۲ ۔
۲۴ ۔ بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ ، ص ۳۸ ، ۳۹ ۔
۲۵ ۔ ابن حجر ، شہاب الدین احمد العسقلانی الاصابہ ج ۱ ، ص ۱۳۸ ۔
۲۶ ۔ بقی بن مخلد و مقدمۃ مسندہ ص ۲۷ ، ۲۸ ۔

٢٧ ـ بقى بن مخلد و مقدمه مسنده ، ص ٧٩ ، ١٦٩

٢٨ ـ جذوة المقتبس ، ص ١٧٧

٢٩ ـ جذوة المقتبس ، ص ١٧٧

٣٠ ـ سير اعلام النبلاء ج ٣ ، ص ٢٩١ ـ

٣١ ـ جذوة المقتبس ، ص ١٧٧ ـ

٣٢ ـ تاريخ علماء الاندلس ٩٢ ـ

٣٣ ـ سيوطى ، جلال الدين عبدالرحمن ، طبقات المفسرين ص ٣١ ـ

٣٤ ـ ابن بشكوال ابوالقاسم ، خلف بن عبدالملک ، الصله ج ٢ ، ص ٥٥ ـ

٣٥ ـ ضياء عمرى بحواله المعجب فى تلخيص اخبار المغرب ٣٣٩ ـ

★★★